ربیع الاول۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

﴿ بسلسلہ سالانہ محاضراتِ قرآنی ﴾

Creation, Science & Islamic Cosmology

صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف

''ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور ارتقاء کے مراحل''

میں پیش کردہ اعلیٰ علمی مباحث کی تشریح و تنقیح کے ضمن میں اس سیمینار کا انعقاد

ان شاء اللہ العزیز

2 فروری 2014ء بروز اتوار صبح 10:30 بجے

قرآن آڈیٹوریم 191- اتاترک بلاک

نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ہوگا

جس میں مندرجہ ذیل مشاہیر اہل علم اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے:

- ☆ ڈاکٹر منور اے انیس (پروفیسر/ڈین SAS`UMT لاہور)
- ☆ ڈاکٹر طارق مصطفیٰ (نامور ایٹمی سائنس دان، اسلام آباد)
- ☆ ڈاکٹر خالد حمید شیخ (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، سابق ایڈوائزر Isesco Rabat)
- ☆ پروفیسر ڈاکٹر جاوید اقبال قاضی (پنجاب یونیورسٹی شعبہ زوآلوجی، لاہور)
- ☆ ڈاکٹر ابصار احمد (صدر مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
سابق صدر شعبہ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

زیر انتظام:

سکول آف ایڈوانس سٹڈیز، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

اور

مرکزی انجمن خدام القرآن، 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے! ☆ خواتین کی شرکت کا باپردہ انتظام ہے!

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا
(البقرة: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۱

ربیع الاوّل ـ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ جنوری ـ مارچ ۲۰۱۴ء

بیاد:

محمد رفیع الدین مرحوم ــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ـ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور ـ فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل : publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون : 200 روپے ، فی شمارہ : 50 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل 3

انسدادِ سود کا مقدمہ - ہم کہاں کھڑے ہیں؟ — حافظ عاطف وحید

فہمُ القرآن 10

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح — افادات حافظ احمد یارؒ

حکمتِ نبوی 23

مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہے — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حقیقتِ ایمان 25

ایمان کا قرآنی تصور — نذیر احمد علائی

سیرت و سوانح 34

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ:

حیات اور علمی و ملی خدمات کا مختصر تعارف — ڈاکٹر محمد جنید ندوی

اقبالیات 57

تعمیرِ خودی (۲) — مدثر رشید

فکر و نظر 71

سیرتِ نبویؐ اور مستشرقین (۵) — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

کتاب نما 81

تعارف و تبصرہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بیانُ القرآن 96

MESSAGE OF THE QURAN — Dr. Israr Ahmad

انسدادِ سود کا مقدّمہ ــــ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

یہ بات ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام اور کلمہ طیبہ کے اعلان واقرار پر وجود میں آیا۔ لاکھوں جانوں کی قربانی اور ہزاروں عصمتیں لٹوانے کے بعد قائم ہونے والے ملک میں اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کی بالادستی نہ عقلاً قابلِ تسلیم ہے اور نہ شرعاً قابلِ قبول۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کا پاکستان کے لیے ایک اسلامی فلاحی مملکت کا وژن اُن کے دسیوں خطابات سے واضح ہوجاتا ہے جو انہوں نے تحریک پاکستان کے لیے جدّوجہد کے دوران اور بعد میں ارشاد فرمائے۔

۱۹۴۸ء میں سٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائد کا یہ بیان تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے۔ انہوں نے فرمایا:

> *"I shall watch with keenness the work of your Research Organization in evolving banking practices compatible with Islamic ideas of social and economic life. The economic system of the West has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is not facing the world. It has failed to do justice between man and man and to eradicate friction from the international field. On the contrary, it was largely responsible for the two world wars in the last half century. The Western world, in spite of its advantages, of mechanization and industrial efficiency is today in a worse mess than ever before in history. The adoption of Western economic theory and practice will not help us in achieving our goal of creating a happy and contended people. We must work our destiny in our own way and present to the world an economic system based on true Islamic concept of equality of manhood and social justice. We will thereby be fulfilling our mission as Muslims and giving to humanity the message of peace which alone can save it and secure the welfare, happiness and prosperity of mankind..."*

جناب قائد کا یہ بیان ایک نوع کا پالیسی سٹیٹمنٹ ہے جو اپنے مفہوم اور مُدعا میں بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ پاکستان کے مرکزی مالیاتی ادارہ کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے اس اصولی موقف کا اظہار اس امر کا غماز ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئینی تاریخ اور سود کی حرمت کا مسئلہ بالکل آغاز ہی سے پہلو بہ پہلو رہا ہے۔

۱۹۵۶ء کے آئین اور ۱۹۶۲ء میں تشکیل پائے جانے والے آئین' دونوں میں صاف اور غیر مبہم طور پر یہ بات درج تھی کہ حکومتِ پاکستان نظامِ معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے گی۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے آئین' جو کہ ہماری تاریخ کا متفقہ آئین اور دستور مانا جاتا ہے' کے آرٹیکل 38 کی ذیلی دفعہ F میں کہا گیا ہے: ''حکومت جس قدر جلد ممکن ہو سکے ربا کو ختم کرے گی۔''

۱۹۶۲ء میں آئین کی تشکیل کے علاوہ قومی سطح پر اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ایک دستوری ادارہ قائم کیا گیا' جس میں تمام مسالک اور مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مستند علماء کرام کو نمائندگی دی گئی۔ اس ادارے کے فرضِ منصبی میں یہ بات شامل کی گئی کہ یہ ادارہ ایسی تجاویز مرتب کرے گا جن پر عمل کر کے پاکستانی عوام کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا سکے۔

چنانچہ ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے اپنی ایک رپورٹ میں اتفاقِ رائے سے اس امر کا اظہار کیا کہ **''ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی''**۔ مزید یہ کہ **''موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد' اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پر جو اضافہ یا بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے وہ ربا کی تعریف میں آتی ہے۔ سیونگ سرٹیفیکیٹ میں جو اضافہ دیا جاتا ہے وہ بھی سود میں شامل ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی وغیرہ میں جو سود دیا جاتا ہے وہ بھی ربا میں شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبوں' مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے' لہٰذا یہ تمام صورتیں حرام اور ممنوع ہیں۔''**

کونسل کی مذکورہ بالا رپورٹ کے ۸ سال بعد ۱۹۷۷ء میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ کونسل ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جا سکے۔ چنانچہ کونسل نے بینک ماہرین' اقتصادیات کے ماہرین اور علماء سے طویل گفتگو اور مباحث کے بعد اور عالمی سطح پر اس مسئلے کی پیچیدگیوں کے گہرے مطالعے کے بعد ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو اپنی رپورٹ صدرِ پاکستان کے سامنے پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں سود کو ختم کر کے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہا گیا تھا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سے مکمل طور پر پاک ہو سکتی ہے۔

اس رپورٹ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سعودی عرب کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کر کے اپنی حکومت' اہلِ علم اور عوام کے استفادے کے لیے شائع کیا۔ لیکن قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے ملک کی افسر شاہی نے اس رپورٹ پر عمل درآمد کے ضمن میں سنجیدہ کوششیں نہیں کیں اور کچھ نیم دلانہ انداز میں اور بہت ہی محدود پیمانے پر مشارکہ' مضاربہ' مرابحہ اور بیع مؤجل ایسے انداز سے متعارف کروائیں کہ خاطر خواہ نتیجہ اور خیر برآمد نہ ہو سکا۔ چنانچہ کونسل نے

ایک اور revised report تیار کی جس میں ان الفاظ میں تنبیہہ اور اظہارِ افسوس کیا گیا کہ ''کونسل نے ۸۱۔۱۹۸۰ء میں کیے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دیے ہیں' ان میں خاتمہ سود کے لیے کیے جانے والے اقدامات ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جو کونسل نے تجویز کیں......حکومت نے وہ طریقہ اختیار کیا جو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا۔''

کونسل کی تنبیہات کا حکومتِ وقت پر جب کوئی اثر نہ ہوا تو ۱۹۹۰ء میں ایک پاکستانی محمود الرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت' جو کہ اسلامی قوانین کے مطابق اور اسلامی احکام کے تحت فیصلہ دینے کے لیے وجود میں لائی گئی تھی' میں ایک پٹیشن نمبر ۳۰/۱ داخل کی اور عدالت سے استدعا کی کہ رائج الوقت سودی نظامِ معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کی جائے اور حکومتِ وقت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اس کیس اور اسی سے ملتے جلتے ۱۱۴ دیگر کیسز کی مشترک سماعت کی۔ دورانِ سماعت بینکرز' اکانومسٹس' حکومتی نمائندوں اور علماء کو تفصیلی طور پر سنا' دقیق بحثیں کیں اور تحریری وزبانی بیانات حاصل کیے' اور اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ۱۵۷ صفحات پر مشتمل اپنا تاریخی فیصلہ سنایا۔ اُس وقت کی وفاقی شرعی عدالت جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب بطور چیف جسٹس' جسٹس فدا محمد خان صاحب اور جسٹس عبید اللہ خان صاحب پر مشتمل تھی۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں نہ صرف یہ کہ سود کی ایسی تعریف متعین کی جسے معیار بنا کر مروّجہ نظامِ معیشت میں پائے جانے والے سودی معاملات اور آئین اور دستور میں مذکور سودی دفعات کا جائزہ لیا جا سکتا تھا' بلکہ رائج تمام سودی قوانین (۲۲ قوانین) کا جائزہ لے کر بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیا اور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا کہ وہ ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کر لیں اور یہ بھی کہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے تمام سودی قوانین غیر آئینی ہو جائیں گے اور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائے گا۔

وفاقی شرعی عدالت کے مذکورہ بالا فیصلے کو عوامی سطح پر زبردست پذیرائی ملی اور یہ امید پیدا ہو گئی کہ شاید پاکستان کے قیام کے ۴۵ سال بعد اب ہمارا معاشی قبلہ درست ہو جائے گا اور عوام کو سود جیسے استحصالی اور ظالمانہ ہتھکنڈے سے نجات مل جائے گی۔ لیکن دوسری طرف سود خوروں اور بینکوں کو فکر لاحق ہو گئی کہ ان کا پھیلایا ہوا سودی قرضوں کا جال کہیں کمزور نہ پڑ جائے اور حکومت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں بین الاقوامی سطح پر قرضوں کے حصول میں مشکلات نہ پیدا ہو جائیں......اور یہ بھی کہ کہیں تجارتی سرگرمیاں موقوف نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ۳۰ جون کے آنے سے پہلے پہلے مالیاتی اداروں' بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کر دیں۔

یہ اپیلیں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن گئیں اور سات سال تک سرد خانے میں پڑی رہیں۔ بالآخر ۱۹۹۹ء کے اوائل میں سپریم کورٹ آف پاکستان میں ایک شریعت اپیلیٹ بینچ تشکیل دیا گیا' جس نے کئی ماہ تک مسلسل ان اپیلوں کی سماعت کی۔ اس پانچ رکنی بینچ میں جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خان بطور چیئرمین شریک تھے' جبکہ جناب جسٹس وجیہہ الدین' جناب جسٹس منیر اے شیخ' جناب جسٹس مفتی مولانا تقی

عثمانی اور جناب جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی بطور ممبر شامل تھے۔ معزز عدالت نے سماعت کے دوران مقدمہ میں زیرِ بحث آنے والے اہم فقہی، معاشی، معاشرتی، قانونی اور آئینی ایشوز پر رہنمائی حاصل کرنے کے لیے فریقین کے وکلاء حضرات کے علاوہ ماہرینِ علم وفن سے بھی اپیل کی کہ وہ زیرِ بحث مسئلہ کے حوالے سے عدالت کی معاونت کریں۔ چنانچہ پاکستان سمیت اسلامی دنیا کے متعدد نامور محققین اور قانون دان حضرات نے فاضل عدالت کو assist کرتے ہوئے اپنی آراء اور تجاویز سے تحریری طور پر اور زبانی مستفید کیا، اور جدید وقدیم معاشی کتب وجرائد کے بے بہا ذخیرے میں سے اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے ریکارڈ پر لائی گئیں۔

اس سارے مواد کی چھان پھٹک اور علماء اور وکلاء کی بحثوں کی سماعت کرنے کے بعد سپریم کورٹ کے شریعت ایپلیٹ بینچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو عمومی طور پر درست قرار دیتے ہوئے جدید بینکاری سمیت تمام دیگر سودی قوانین کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور حکومتِ وقت کو مزید مہلت دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون ۲۰۰۱ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کو نئے قوانین سے بدل کر بینکنگ سمیت دیگر معاشی معالات کو سود سے پاک کر دے۔

شریعت ایپلیٹ بینچ کا یہ فیصلہ ایوان ہائے اقتدار وطبقہ ہائے استحصال کے لیے ایک شمشیر برہنہ کی صورت اختیار کر گیا اور اُن تمام مفاد یافتہ طبقات نے یک زبان اعلیٰ عدالت سے ''دادرسی'' کے لیے رجوع کیا جن کے مفادات پر حرف آنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جون ۲۰۰۱ء آنے سے پہلے پہلے حکومت نے ایک درخواست شریعت بینچ کے سامنے دائر کی جس میں فاضل عدالت سے درخواست کی گئی تھی کہ سودی نظام کو ختم کرنے کے لیے مزید دو سال کی مہلت دی جائے۔ بظاہر یہ درخواست حکم امتناعی کی عرضی تھی جو جون ۲۰۰۱ء سے پہلے ہی UBL کے ذریعے داخلِ دفتر کروائی گئی تھی۔ چنانچہ اس عرضی کی بنیاد پر عدالت نے درخواست منظور کرتے ہوئے دو سال کی بجائے ایک سال کی مہلت دی اور ہدایت کی کہ جون ۲۰۰۲ء تک مطلوبہ آئینی وانتظامی اقدامات مکمل کر لیے جائیں۔ ایمانداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ حکومتِ وقت اپنی استدعا پر حاصل ہونے والی اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خلوصِ نیت کے ساتھ قوانین کی تبدیلی کا کام مکمل کرتی۔ لیکن عملاً کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ کی گئی، بلکہ حسبِ معمول سود کی بنیاد پر نئی سکیموں کا اجراء اور نئے قرضے حاصل کرنے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

جب عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کو آئی تو UBL کی جانب سے اب نظر ثانی کی ایک درخواست عدالت میں داخل کی گئی۔ اس دوران ایک بڑا واقعہ یہ رونما ہو چکا تھا کہ PCO پر حلف نہ اٹھانے کی بنا پر جسٹس خلیل الرحمٰن خان اور جسٹس وجیہہ الدین احمد ریٹائر کر دیے گئے، جسٹس محمود احمد غازی بھی ایک اور حکومتی عہدے پر فائز ہونے کی بنا پر شریعت ایپلیٹ بینچ کا حصہ نہ رہے۔ صرف جسٹس منیر اے شیخ اور جسٹس مفتی مولانا محمد تقی عثمانی بطورِ فاضل جج بینچ کا حصہ باقی رہ گئے۔ لیکن سماعت سے متصلاً قبل ایک بڑا ''دھماکہ'' یہ کیا گیا کہ جسٹس مولانا تقی عثمانی کو، جو سود سے متعلق اپیل کا فیصلہ لکھنے والے ججوں میں شامل تھے اور اپنی علمی ودینی وجاہت کے اعتبار سے باقی تمام ججز میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، بغیر کوئی وجہ بتائے ایپلیٹ بینچ سے فارغ کر دیا گیا، اور علماء نشستوں پر نئے بینچ میں جناب علامہ خالد محمود اور جناب رشید احمد جالندھری کو شامل کر لیا گیا۔ اس طرح نظر ثانی

کی درخواست کی سماعت جس بینچ نے کی اُس میں سابقہ بینچ کے شرکاء میں سے صرف جسٹس منیر اے شیخ باقی رہ گئے اور باقی تمام حضرات کی نئے ججز کے طور پر تقرری عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ اس نئے بینچ میں جسٹس شیخ ریاض احمد کو بطور چیئرمین منتخب کیا گیا جبکہ جسٹس قاضی محمد فاروق' جسٹس ڈاکٹر خالد محمود اور جسٹس رشید احمد جالندھری کو اس بینچ کا حصہ بنادیا گیا۔

اس نئے تشکیل کیے گئے شریعت ایپلیٹ بینچ میں ہونے والی کارروائی کی تفصیلی روداد جناب جسٹس وجیہہ الدین احمد کی کتاب ''میزان'' میں تفصیلاً تحریر کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نظرِ ثانی کی اس درخواست پر UBL کے وکیل راجہ محمد اکرم نے ۱۲ جون ۲۰۰۲ء کو بحث کا آغاز کیا۔ راجہ اکرم نے قرآنِ مجید کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ جدید بینکنگ کا نظام ''بیع'' کے وسیع تر مفہوم پر پورا اترتا ہے' اس لیے بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دے کر ممنوع کر دینا درست نہیں۔ گویا یہ بات ازسرِنو طے کی جائے کہ بینک انٹرسٹ ربا ہے یا نہیں...؟ نیز انہوں نے یہ موقف بھی اختیار کیا کہ اسلام کے نزدیک سود کی صرف ظالمانہ شرح ہی ناجائز ہے اور سمپل انٹرسٹ اُن کے بقول ظالمانہ نہیں۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ سود کی تعلیمات قانونی درجے کی نہیں ہیں بلکہ اخلاقی درجے کی ہیں' اس لیے سود کی ممانعت بذریعہ قانون نافذ کرنا انصاف کے مطابق نہیں۔

حکومتِ پاکستان کے وکیل رضا کاظم نے دلائل کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ حکومت UBL کی درخواست اور معروضات سے پورا اتفاق کرتی ہے۔ شریعت ایپلیٹ بینچ اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں پر عمل درآمد ناممکن ہے۔ انہوں نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ربا اور سود کے امتناع سے ملک میں معاشی انارکی پھیلے گی اور تمام کاروبارِ معیشت درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے سابقہ فیصلے کی تنسیخ کا مطالبہ کیا اور یہ دعویٰ بھی کیا کہ حکومت نے غیر سودی نظام نافذ کرنے کے سلسلے میں ۵۳ اسلامی ممالک سے رابطہ کیا ہے' لیکن تمام ممالک نے یہی مشورہ دیا ہے کہ سود سے پاک بینکنگ کا نظام ناقابلِ عمل ہے..... بلکہ یہ بھی کہ یہ معیشت کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا.....اور اس طرح ہم بین الاقوامی برادری سے کٹ جائیں گے.....اور ہمارا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

اس مرحلے پر حکومتی وکیل نے اپنے ساتھی ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی کو بھی عدالت کے سامنے اپنی معروضات اور دلائل دینے کے لیے پیش کیا۔ ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے اپنے مخصوص انداز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سابقہ بینچ نے قرآن وسُنّت کے متعدد احکامات سے انحراف کیا ہے' امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء کے نظریات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان کے تمام شہریوں کو' چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم' ایک ہی لاٹھی سے ہانکا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے دعووں کے حق میں قرآن وسنت اور امام ابوحنیفہ کے اقوال سے واضح ثبوت فراہم نہیں کیے' تاہم دعوے اس اذعان کے ساتھ کیے کہ گویا.... جو کہا ہے بالکل درست ہے۔

ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی کے بعد اٹارنی جنرل آف پاکستان مخدوم علی خان نے بھی عدالت کے سامنے سابقہ فیصلوں پر تنقید کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت ایپلیٹ بینچ نے سماعت

کرتے ہوئے آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 29، 30(2)، 38(F)، 81(C)، 121(C) میں بیان کیے گئے ضوابط کے مطابق نہ تو اپنے اختیاراتِ سماعت کا خیال رکھا اور نہ ہی اس بات کا کہ وفاقی شرعی عدالت یا شریعت اپیلیٹ بینچ کے سامنے یہ مقدمات دائر بھی کیے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ دوسری طرف سے جناب محمد اسمٰعیل قریشی، جناب جسٹس (ریٹائرڈ) خضر حیات اور جناب حشمت علی حبیب نے بھی عدالت کے سامنے دلائل پیش کیے اور انہوں نے موجودہ بینچ کی تشکیل پر اعتراض کرتے ہوئے یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ بینچ آئین کے ضوابط کے مطابق تشکیل نہیں دیا گیا۔ نیز یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ نظرِ ثانی کے معاملے میں عدالت کے اختیارات بہت محدود ہوتے ہیں۔ اور جن قوانین، ضوابط اور حقائق کا جائزہ فیصلہ دینے والی عدالت عظمیٰ تفصیل سے لے چکی ہو انہیں نظرِ ثانی کی آڑ میں دوبارہ نہیں اٹھایا جاتا، جبکہ مخالف وکلاء نے جن امور کو نظرِ ثانی کی بنیاد بنایا ہے ان سب پر تفصیل سے بحث و سماعت کرنے کے بعد ہی سابقہ فیصلے صادر کیے گئے تھے۔ یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر جزوی عمل ہو چکا ہے، اب قانون اس پر نظرِ ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔

چند دن کی مختصر سماعت کے بعد نظرِ ثانی کے لیے تشکیل کردہ بینچ نے انتہائی عجلت میں ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بینچ کا ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کا فیصلہ اور وفاقی شرعی عدالت کا ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کا فیصلہ بیک جنبشِ قلم منسوخ کر دیا اور مقدمے کو ازسرِ نو سماعت کے لیے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دیے۔ اس طرح اس عدالت نے سابقہ نصف صدی کی طویل کوششوں اور جاں گسل محنتوں کو صفر سے ضرب دے کر معاملہ وہاں پہنچا دیا کہ گویا ہنوز روزِ اوّل است!

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کو سامنے رکھا جائے تو چند اہم سوالات بلکہ اشکالات سر اٹھاتے ہیں:

۱) سب سے پہلا اشکال یہ ہے کہ ''نظرِ ثانی'' اور ''اپیل'' میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے۔ اپیل میں نئے سوالات کی محدود حد تک پذیرائی ہو سکتی ہے مگر نظرِ ثانی میں نئے سوالات نہیں اٹھائے جا سکتے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ عدالت نے نہ صرف نئے سوالات اٹھانے دیے بلکہ اُن نئے سوالات کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بینچ کے فیصلوں کو بھی رد کر دیا؟

۲) اس فیصلے کا سب سے نمایاں وصف بلکہ نقص یہ ہے کہ اس بینچ کے جج صاحبان نے وہ وجوہات بیان ہی نہیں کیں جن کی بنیاد پر وہ اتنے اہم اور دُور رَس فیصلوں کو کالعدم قرار دے رہے تھے۔ فیصلے میں صرف وہ بحثیں نقل کی گئیں ہیں کہ فلاں وکیل نے یہ کہا اور فلاں نے یہ۔ اور جن وکلاء کے دلائل نقل کیے گئے ہیں وہ بھی صرف وہ ہیں کہ جنہوں نے سابقہ فیصلے کے خلاف دلائل دیے۔ دوسری طرف کے وکلاء کی بحثوں اور دلائل کو قابلِ ذکر ہی خیال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح نہ تو دلائل کو پرکھا گیا اور نہ ہی انہیں یکجا کر کے بتایا گیا کہ یہ یہ وجوہات ہیں کہ جن کی بنیاد پر نظرِ ثانی کی جا رہی ہے اور یہ یہ وجوہات ہیں کہ جن کی بنا پر سابقہ فیصلوں کو کالعدم قرار دینا ناگزیر قرار پاتا ہے۔ کیا اس طرح سے دیے گئے فیصلے کا کوئی تقدس باقی رہ جاتا ہے؟

۳) نظرِ ثانی کی سماعت کرنے والے فاضل اراکینِ بینچ (جو PCO پر بھی حلف اُٹھائے ہوئے تھے) کی اہلیت،

نیک نامی اور علمی مرتبہ ۱۹۹۹ء کے شریعت ایپلیٹ بینچ میں شامل فاضل جج کے مقابلے میں کہیں کم نظر آتا ہے۔ عوامی رائے کے مطابق موجودہ بینچ کسی بھی اعتبار سے سابقہ بینچ کے پاسنگ بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود موجودہ بینچ اَخلاقی وقانونی norms کو بائی پاس کرتے ہوئے سابقہ دونوں عدالتوں کے فیصلوں کو کالعدم قرار دے رہا ہے...' گویا نظر ثانی کی PCO عدالت شاید سپریم کورٹ کی آزاد عدالت سے بھی بالاتر کوئی عدالت تھی؟ آخر ایسا کیوں ہوا؟

۴) ۱۹۹۹ء کے بینچ نے جب ربا کے کیس کی سماعت شروع کی تو ہفتہ بھر تک وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ پڑھوا کر کورٹ میں سنا۔ جبکہ ۲۰۰۲ء کی عدالت نے نہ تو سماعت کے دوران وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ سنا اور نہ ہی شریعت ایپلیٹ بینچ ۱۹۹۹ء کا فیصلہ سنا گیا۔ کیا اس طرح اس فیصلے کی حیثیت قانونی اور اخلاقی طور پر مجروح نہیں ہوجاتی؟

۵) سب سے اہم اشکال یہ ہے کہ اگر سابقہ عدالتوں کے فیصلے میں کچھ نقائص رہ گئے تھے تو موجودہ نظرِ ثانی کے بینچ کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اتنے اہم سوالات کی خود سماعت کرتی اور پھر اُن پر اپنا فیصلہ سناتی' ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ اس کے برعکس سابقہ دونوں فیصلوں کی نفی کرتے ہوئے سود کے مقدمے کو دوبارہ ایک نچلی عدالت میں بھیجنے کا صاف مطلب تو یہی نظر آتا ہے کہ پھر ایک طویل عرصے کے لیے سود پر مبنی ظالمانہ غیر اسلامی نظام کو غیر معینہ مہلت دے کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر دیا گیا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ اب سود کا مقدمہ ایک مرتبہ پھر اپنے بالکل ابتدائی مرحلے میں پہنچ کر وفاقی شرعی عدالت کے سامنے ہے اور اس میں ۲۰۰۲ء کی PCO عدالت کے فیصلے کے ذریعے بہت سے ایسے مباحث کو دوبارہ کھول دیا گیا ہے جن پر سابقہ دو مقدمات میں تفصیل کے ساتھ بحث ہوچکی ہے اور بہت وضاحت کے ساتھ فیصلہ دیا جاچکا ہے' اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سے نئے مباحث کا ڈول بھی ڈال دیا گیا ہے جو اس مقدمے کو ایک نئی جہت کی طرف لے جانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ دوسری جانب حکومتِ پاکستان اپنے آئین کی رو سے اس بات کی پابند ہے کہ سود کو ختم کرے' جس کے حکومت نے بارہا وعدے بھی کیے ہیں۔ اب وفاقی شرعی عدالت نے نظرِ ثانی کے لیے مقدمہ کی سماعت شروع کر دی ہے۔ فاضل عدالت سے ہماری یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے سابقہ فیصلہ کو بحال کر دے اور حکومت کو اس کی تنفیذ کے لیے اقدامات کرنے کا حکم جاری کر دے۔ فاضل عدالت کے سابقہ فیصلہ پر پہلے بھی دنیا بھر کے علماء وفقہاء اور دینی جماعتوں نے اظہارِ مسرت کیا اور فاضل عدالت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اب بھی فاضل عدالت اپنا فیصلہ بحال کرے گی تو یہ اُمتِ مسلمہ کی عظیم خدمت ہوگی اور عدالت کا فیصلہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ المائدۃ

آیات ۶ ـ ۷

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا
بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ط وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ط وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ
اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ ط مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ
لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۶ وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ
وَاثَقَکُمْ بِہٖٓ لا اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۷

ک ع ب

کَعَبَ یَکْعُبُ وَ کَعَبَ یَکْعِبُ (ن ـ ض) کُعُوْبًا : (۱) کوئی بھی اٹھنے والی یا ابھرنے والی چیز (۲) کوئی مکعب چیز یعنی جس کی لمبائی‘ چوڑائی اور اونچائی ایک جیسی ہو۔

کَعْبٌ : کسی چیز کی اُبھری ہوئی گرہ۔ جیسے گنے کے دو پوروں کے درمیان کی گرہ یا پنڈلی اور پیر کے درمیان کی گرہ‘ یعنی ٹخنہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

کَعْبَۃٌ : کوئی مربع کمرہ‘ خانہ کعبہ۔ ﴿جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ (المائدۃ:۹۷) ’’بنایا اللہ نے کعبہ کو محترم گھر۔‘‘

کَاعِبٌ ج کَوَاعِبُ (اسم الفاعل) : اُٹھنے والا‘ اُبھرنے والا۔ پھر استعارۃً نوعمر لڑکی کے لیے بھی آتا ہے۔ ﴿وَ کَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾﴾ (النبا) ’’اور نوعمر لڑکیاں ہم عمر۔‘‘

ترکیب

''فَاغْسِلُوْا'' کا مفعول اوّل ''وُجُوْهَكُمْ'' اور مفعول ثانی ''اَيْدِيَكُمْ'' ہے۔ اس لیے دونوں کے مضاف حالتِ نصب میں ہیں۔ ''وَامْسَحُوْا'' کا مفعول ''بِرُءُوْسِكُمْ'' ہے جو کہ ''بَا'' کے صلہ کی وجہ سے مجرور ہے۔ ''وَاَرْجُلَكُمْ'' اگر ''وَامْسَحُوْا'' کا مفعول ہوتا تو ''بَا'' کے صلہ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ''وَاَرْجُلِكُمْ'' آتا لیکن ''اَرْجُلَكُمْ'' کی نصب بتارہی ہے کہ یہ ''فَاغْسِلُوْا'' کا مفعول ثالث ہے۔ ''صَعِيْدًا طَيِّبًا'' کے بعد ''فَامْسَحُوْا'' کا مفعول ''بِوُجُوْهِكُمْ'' ہے۔ ''بَا'' کے صلہ پر عطف ہونے کی وجہ سے ''اَيْدِيْكُمْ'' حالت جر میں آیا ہے۔ اس لیے یہ ''فَامْسَحُوْا'' کا مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ: اے لوگو جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لائے
اِذَا: جب کبھی
قُمْتُمْ: تم اُٹھو
اِلَى الصَّلٰوةِ: نماز کی طرف
فَاغْسِلُوْا: تو دھولو
وُجُوْهَكُمْ: اپنے چہروں کو
وَاَيْدِيَكُمْ: اور اپنے ہاتھوں کو
اِلَى الْمَرَافِقِ: کہنیوں تک
وَامْسَحُوْا: اور مسح کرو
بِرُءُوْسِكُمْ: اپنے سروں کا
وَاَرْجُلَكُمْ: اور (دھولو) اپنے پیروں کو
اِلَى الْكَعْبَيْنِ: دونوں ٹخنوں تک
وَاِنْ: اور اگر
كُنْتُمْ: تم لوگ ہو
جُنُبًا: ناپاک
فَاطَّهَّرُوْا: تو خود کو پاک کرو
وَاِنْ: اور اگر
كُنْتُمْ: تم لوگ ہو
مَّرْضٰٓى: مریض
اَوْ: یا (ہو)
عَلٰى سَفَرٍ: کسی سفر پر
اَوْ جَآءَ: یا آئے
اَحَدٌ: کوئی ایک
مِّنْكُمْ: تم میں سے
مِّنَ الْغَآئِطِ: باتھ روم سے
اَوْ لٰمَسْتُمُ: یا تم مباشرت کرو
النِّسَآءَ: بیویوں سے
فَلَمْ تَجِدُوْا: پھر تم نہ پاؤ
مَآءً: پانی
فَتَيَمَّمُوْا: تو تیمم کرو
صَعِيْدًا طَيِّبًا: کسی پاک مٹی سے
فَامْسَحُوْا: تو مسح کرو
بِوُجُوْهِكُمْ: اپنے چہروں کا
وَاَيْدِيْكُمْ: اور اپنے ہاتھوں کا
مِّنْهُ: اس سے
مَا يُرِيْدُ: نہیں چاہتا
اللّٰهُ: اللہ
لِيَجْعَلَ: کہ وہ بنائے
عَلَيْكُمْ: تم لوگوں پر
مِّنْ حَرَجٍ: کسی قسم کی کوئی تنگی
وَّلٰكِنْ: اور لیکن (یعنی بلکہ)

يُرِيْدُ : وہ چاہتا ہے — لِيُطَهِّرَكُمْ : کہ وہ پاک کرے تم لوگوں کو

وَلِيُتِمَّ : اور (یہ) کہ وہ تمام کرے — نِعْمَتَهٗ : اپنی نعمت کو

عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر — لَعَلَّكُمْ : شاید کہ

تَشْكُرُوْنَ : تم حق مانو — وَاذْكُرُوْا : اور یاد کرو

نِعْمَةَ اللّٰهِ : اللہ کی نعمت کو — عَلَيْكُمْ : اپنے اوپر

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ : اور اس کے اس پختہ عہد کو — وَاثَقَكُمْ : اس نے معاہدے میں جکڑا تم لوگوں کو

بِهٖٓ : جس سے — اِذْ : جب

قُلْتُمْ : تم نے کہا — سَمِعْنَا : ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا : اور ہم نے اطاعت کی — وَاتَّقُوا : اور تقویٰ اختیار کرو

اللّٰهَ : اللہ کا — اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ

عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے — بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : سینوں والی (باتوں) کو

آیات ۸ تا ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا
تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ
اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترکیب

''اَلَّا'' دراصل ''اَنْ لَا'' ہے۔ ''وَعَدَ'' کے دو مفعول آتے ہیں' کس سے وعدہ کیا اور کیا وعدہ کیا۔ اس کا مفعول اول ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' ہے اور مفعول ثانی ''لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ'' ہے۔ اس لیے پورا جملہ محلًا حالت نصب میں ہے۔ آیت ۱۱ میں لفظ ''نعمت'' لمبی تا سے لکھا گیا ہے جو کہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ ''كَفَّ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو جو — اٰمَنُوْا : ایمان لائے

كُوْنُوْا : تم ہو جاؤ — قَوّٰمِيْنَ : خوب نگرانی کرنے والے

لِلّٰهِ :اللہ کی خاطر	شُهَدَآءَ : گواہی دینے والے
بِالْقِسْطِ :انصاف کی	وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ :اورتم کو ہرگز آمادہ نہ کرے
شَنَاٰنُ قَوْمٍ :کسی قوم کی عداوت	عَلٰٓى :اس پر
اَلَّا تَعْدِلُوْا : کہ تم عدل نہ کرو	اِعْدِلُوْا : (بلکہ) تم عدل کرو
هُوَ :یہ	اَقْرَبُ :زیادہ قریب ہے
لِلتَّقْوٰى :تقویٰ کے لیے	وَاتَّقُوا :اور تقویٰ (اختیار) کرو
اللّٰهَ :اللہ کا	اِنَّ اللّٰهَ :یقیناً اللہ
خَبِيْرٌ : باخبر ہے	بِمَا :اس سے جو
تَعْمَلُوْنَ :تم کرتے ہو	وَعَدَ : وعدہ کیا
اللّٰهُ :اللہ نے	الَّذِيْنَ :ان لوگوں سے جو
اٰمَنُوْا :ایمان لائے	وَعَمِلُوا :اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ :نیک	لَهُمْ :(کہ) ان کے لیے
مَّغْفِرَةٌ : مغفرت ہے	وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ :اور ایک شاندار بدلہ ہے
وَالَّذِيْنَ :اور وہ لوگ جنھوں نے	كَفَرُوْا : انکار کیا
وَكَذَّبُوْا : اور جھٹلایا	بِاٰيٰتِنَآ : ہماری نشانیوں کو
اُولٰٓئِكَ : (تو) وہ لوگ	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ : دوزخ والے ہیں
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو جو	اٰمَنُوا : ایمان لائے
اذْكُرُوْا: تم یاد کرو	نِعْمَتَ اللّٰهِ : اللہ کی نعمت کو
عَلَيْكُمْ : تم پر	اِذْ : جب
هَمَّ : ارادہ کیا	قَوْمٌ : ایک قوم نے
اَنْ : کہ	يَّبْسُطُوْٓا : وہ پھیلائیں
اِلَيْكُمْ : تمہاری طرف	اَيْدِيَهُمْ : اپنے ہاتھوں کو
فَكَفَّ : تو اُس نے روکا	اَيْدِيَهُمْ : ان کے ہاتھوں کو
عَنْكُمْ : تم سے	وَاتَّقُوا : اور تقویٰ (اختیار) کرو
اللّٰهَ: اللہ کا	وَعَلَى اللّٰهِ : اور اللہ پر ہی
فَلْيَتَوَكَّلِ : چاہیے کہ بھروسہ کریں	الْمُؤْمِنُوْنَ : مؤمن لوگ

نوٹ ۱ : زیر مطالعہ آیت ۸ کا مضمون سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ گزر چکا ہے۔ دونوں کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو عدل وانصاف سے روکنے کے عموماً دو سبب ہوا کرتے ہیں۔ ایک اپنے نفس یا عزیزوں کی طرف داری اور دوسرے کسی کی عداوت۔ سورۃ النساء میں پہلے سبب کی اور

آیت زیر مطالعہ میں دوسرے سبب کی نشاندہی کی گئی ہے اور حکم یہ دیا ہے کہ اپنے نفس' والدین اور عزیزوں کی رعایت میں انصاف کا دامن مت چھوڑو۔ اور کسی کی دشمنی کی وجہ سے' اس کو نقصان پہنچانے کے لیے بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے مت جانے دو۔ (معارف القرآن)

نوٹ ۲ : ان دونوں آیتوں میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ سچی گواہی دینے سے پہلوتہی مت کرو تا کہ فیصلہ کرنے والوں کو حق اور انصاف سے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ قرآن مجید میں متعدد آیات میں تاکید کی گئی ہے کہ سچی گواہی دینے میں کوتاہی اور سستی نہ کی جائے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۸۳) ''تم لوگ مت چھپاؤ گواہی کو' اور جو چھپاتا ہے اس کو تو یقیناً اس کا دل گناہ کرنے والا ہے''۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سچی گواہی دینا واجب اور اس کو چھپانا سخت گناہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی قرآن مجید میں یہ حکم بھی موجود ہے: ﴿وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ﴾ (البقرۃ:۲۸۲) ''اور تکلیف نہ دی جائے کسی لکھنے والے کو اور نہ ہی کسی گواہ کو''۔ اس حکم پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ موقع کے سچے گواہ شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ لوگ ایسی جگہوں سے دور بھاگتے ہیں کہ کہیں گواہی میں نام نہ آ جائے۔ پولیس اِدھر اُدھر کے گواہوں سے خانہ پری کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم مقدمات کا فیصلہ حق و انصاف پر ہوتا ہے۔ عدالتیں مجبور ہیں' کیونکہ جیسی شہادتیں ان کے پاس پہنچتی ہیں' وہ انہی کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتی ہیں' جبکہ آج بھی سعودی عرب اور بعض دوسرے ممالک میں قرآن کی اس ہدایت پر عمل ہو رہا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جرائم اور مقدمات کی نہ تو اتنی کثرت ہے اور نہ ہی گواہی دینا کوئی مصیبت ہے۔

اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ آج کل عام طور پر شہادت کا مطلب صرف یہ لیا جاتا ہے کہ مقدمات میں عدالت کے سامنے گواہی دینا۔ لیکن قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ وہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں ہے یا نوکری کرنے کے قابل نہیں ہے' یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہِ کبیرہ ہو گیا۔ اسی طرح امتحانات میں طلبہ کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا لاپرواہی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی گئی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

اسی طرح انتخابات میں کسی اُمیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے' جس میں ووٹ دینے والے کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ اس کے نزدیک یہ امیدوار اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی نمائندہ بننے کے قابل ہے' مگر ہم لوگوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ اکثر رشتہ داری یا دوستی کی بنیاد پر استعمال ہوتا ہے' کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اور تو اور پڑھے لکھے دین دار مسلمان بھی نااہل لوگوں کو ووٹ دیتے ہوئے کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والا گویا سفارش کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ سفارش کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

جو اچھی سفارش کرتا ہے تو اس کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہوتا ہے اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے تو اس کے لیے اس میں سے ایک ذمہ داری ہوتی ہے (النساء: ۸۵)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نمائندہ جب کوئی غلط اور ناجائز کام کرتا ہے تو اس کا وبال اسے ووٹ دینے والوں کو بھی پہنچے گا۔ (معارف القرآن)

شہادت (گواہی) اور شفاعت (سفارش) کی جو مذکورہ بالا تفسیر مفتی محمد شفیع ؒ نے کی ہے، انتخابات کے وقت اس پر عمل کرنے میں کچھ الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے دو زیادہ عام ہیں۔ مناسب ہے کہ ان کی وضاحت یہاں پر کر دی جائے تاکہ جو اللہ کے حکم پر عمل کرنے کا جذبہ رکھتا ہے وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ اس پر عمل کرے۔ (مرتب)

امیدوار اگر ہماری برادری یا قبیلے کا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ووٹ پر اس کا حق بنتا ہے۔ یا امیدوار ہماری اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا ہے تو اس کو ووٹ دینا امیر کا حکم ہے۔ اس کی صلاحیت اور امانت و دیانت قابل اعتماد نہیں ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ رشتہ داروں کا حق ادا کرنا اور امیر کی اطاعت کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس مسئلہ کا حل سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں موجود ہے جہاں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ انصاف پر قائم رہو خواہ وہ ہمارے اپنے یا والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی کی کوئی اطاعت نہیں ہے اللہ کی معصیت میں۔ یعنی اگر کسی رشتہ دار کا حق ادا کرنے سے یا امیر کی اطاعت کرنے سے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو یہ دونوں چیزیں ساقط ہو جائیں گی اور اللہ کا حکم قائم رہے گا۔

دوسری الجھن یہ ہوتی ہے کہ کہیں فلاں پارٹی کی حکومت نہ بن جائے اس لیے کم برائی والے (lesser evil) کو ووٹ دے دو۔ یہ خود فریبی ہے۔ کسی کی حکومت کے آنے یا نہ آنے کے متعلق قیامت میں ہم سے جواب طلب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس پر ہمارا اختیار نہیں ہے۔ وہاں ہم سے صرف یہ پوچھا جائے گا کہ ایک اہل اور دیانت دار شخص کے حق میں ووٹ کیوں نہیں دیا تھا یا ایک نااہل اور بددیانت کو ووٹ کیوں دیا تھا؟

آیات ۱۲ تا ۱۴

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴

ن ق ب

نَقَبَ يَنْقُبُ (ن) نَقْبًا: کسی چمڑے یا دیوار میں سوراخ کرنا' نقب لگانا۔ ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ (الکھف) ''انہیں قدرت نہیں اس میں سوراخ کرنے کی۔''

نَقِبَ يَنْقَبُ (س) نَقَبًا: راستوں پر چلنا (یعنی فضا میں سوراخ کرنا)۔

نَقُبَ يَنْقُبُ (ک) نَقَابَةً: (۱) سوراخ میں سے جھانکنا' یعنی ایسی جگہ سے نگرانی کرنا جہاں سے نگرانی کرنے والا دوسروں کو دیکھ سکے لیکن اس کو نہ دیکھا جا سکے۔ (۲) سردار ہونا' کیونکہ سردار دوسروں سے معلومات حاصل کر کے اپنی قوم کی نگرانی کرتا ہے۔

نَقِيْبٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : نگرانی کرنے والا' سردار۔ آیت زیر مطالعہ۔

نَقَّبَ (تفعیل) تَنْقِيْبًا : کثرت سے آنا جانا' بھاگ دوڑ کرنا۔ ﴿فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ﴾ (ق:۳۶) ''تو انہوں نے بھاگ دوڑ کی شہروں میں۔''

ع ز ر

عَزَرَ يَعْزِرُ (ض) عَزْرًا : کسی کو اس کے فرائض سے آگاہ کرنا' مدد کرنا۔

عَزَّرَ (تفعیل) تَعْزِيْرًا : کسی کی تعظیم میں اس کے مشن کو تقویت دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

غ ر و

غَرِيَ يَغْرٰى (س) غَرَاءً : چمٹنا' لازم ہونا۔

اَغْرٰى (افعال) اِغْرَاءً: (۱) چمٹانا' لازم کرنا' آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کسی کو کسی پر حاوی کر دینا۔ ﴿لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ (الاحزاب:۶۰) ''ہم لازماً حاوی کر دیں گے آپؐ کو ان پر۔''

ص ن ع

صَنَعَ يَصْنَعُ (ف) صَنْعًا اور صُنْعًا: کسی خام مال سے اچھی چیز بنانا' کاریگری کرنا' صنعت کاری کرنا' آیت زیر مطالعہ۔

اِصْنَعْ (فعل امر) : ﴿فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ (المؤمنون:۲۷) ''تو ہم نے وحی کیا انؑ کی طرف کہ آپؑ کشتی بنائیں۔''

مَصْنَعٌ ج مَصَانِعُ (اسم الظرف) : صنعت گری کی جگہ' قلعہ' محل۔ ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ (الشعراء) ''اور تم لوگ بناتے ہو محلات شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔''

اَصْنَعَ (افعال) اِصْنَاعًا : کسی چیز کو بڑی مہارت سے بنانا' پرورش کرنا' پروان چڑھانا۔ ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ (طٰہٰ) ''اور تا کہ تو پروان چڑھایا جائے میری نگاہ کے سامنے۔''

اِصْطَنَعَ (افتعال) اِصْطِنَاعًا: اہتمام سے بنانا۔ ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ (طٰہٰ) ''اور میں نے اہتمام سے پروان چڑھایا آپؑ کو اپنے واسطے۔''

ترکیب

''اِثْنَیْ'' دراصل ''اِثْنَیْنِ'' ہے جو ''بَعَثْنَا'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''نَقِیْبًا'' تمیز ہے۔ ''لَئِنْ'' میں ''اِنْ'' شرطیہ پر لام تاکید ہے۔ ''اِنْ'' شرطیہ کی وجہ سے آگے شرط میں اَفعالِ ماضی کے ترجمے مستقبل میں ہوں گے۔ ''فَبِمَا'' میں ''بَا'' سببیہ ہے اور اس کا بدل ہونے کی وجہ سے ''نَقْضِهِمْ'' کا مضاف مجرور ہوا ہے۔ ''نَقْضِ'' مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے۔ ''مِیْثَاقَهُمْ'' اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ ''تَطَّلِعُ'' باب افتعال کا مضارع ہے۔ ''خَائِنَةٍ'' پرتائے مبالغہ ہے جیسے ''عَلَّامَةٌ۔ بِمَا کَانُوْا'' میں ''بَا'' ، فعل ''یُنَبِّأُ'' کا صلہ ہے۔

ترجمہ:

وَلَقَدْ اَخَذَ : اور بے شک لیا ہے
اللّٰہُ : اللہ نے
مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ: بنی اسرائیل سے عہد
وَبَعَثْنَا: اور ہم نے اٹھائے (یعنی مقرر کیے)
مِنْهُمُ : ان میں سے
اثْنَیْ عَشَرَ : بارہ
نَقِیْبًا : نقیب
وَقَالَ : اور کہا
اللّٰہُ : اللہ نے
اِنِّیْ : کہ میں
مَعَکُمْ : تمہارے ساتھ ہوں
لَئِنْ : بے شک اگر
اَقَمْتُمُ : تم لوگ قائم کروگے
الصَّلٰوۃَ : نماز کو
وَاٰتَیْتُمُ : اور پہنچاؤ گے
الزَّکٰوۃَ : زکوۃ کو
وَاٰمَنْتُمْ : اور ایمان لاؤ گے
بِرُسُلِیْ : میرے رسولوں پر
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ : اور تقویت دو گے ان کو
وَاَقْرَضْتُمُ : اور قرضہ دو گے
اللّٰہَ : اللہ کو
قَرْضًا حَسَنًا : جیسا کہ خوبصورت قرضہ دینے کا حق ہے
لَّاُکَفِّرَنَّ : تو میں لازماً دور کروں گا
عَنْکُمْ : تم سے
سَیِّاٰتِکُمْ : تمہاری برائیوں کو
وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ: اور میں لازماً تمہیں داخل کروں گا
جَنّٰتٍ : ایسے باغات میں
تَجْرِیْ : بہتی ہیں
مِنْ تَحْتِهَا : جن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ : نہریں
فَمَنْ : پھر جو
کَفَرَ : انکار کرے گا
بَعْدَ ذٰلِکَ : اس کے بعد
مِنْکُمْ : تم میں سے
فَقَدْ ضَلَّ : تو وہ ضرور گمراہ ہوگا
سَوَآءَ السَّبِیْلِ : راستے کے بیچ سے
فَبِمَا : پس بسبب اس کے جو
نَقْضِهِمْ : ان کا توڑنا ہے

مِّيْثَاقَهُمْ : اپنے عہد کو
لَعَنّٰهُمْ : ہم نے لعنت کی ان پر
وَجَعَلْنَا : اور ہم نے بنا دیا
قُلُوْبَهُمْ : ان کے دلوں کو
قٰسِيَةً : سخت ہونے والا
يُحَرِّفُوْنَ : وہ پھیرتے ہیں
الْكَلِمَ : کلاموں کو
عَنْ مَّوَاضِعِهٖ : ان کے رکھنے کی جگہوں سے
وَنَسُوْا : اور انہوں نے بھلا دیا
حَظًّا : ایک حصہ
مِّمَّا : اس میں سے
ذُكِّرُوْا : ان کو نصیحت کی گئی
بِهٖ : جس سے
وَلَا تَزَالُ : اور ہمیشہ
تَطَّلِعُ : آپ آگاہ ہوں گے
عَلٰى خَآئِنَةٍ : کسی بڑے وعدہ خلاف پر
مِّنْهُمْ : ان میں سے
اِلَّا : سوائے اس کے کہ
قَلِيْلًا : تھوڑے سے
مِّنْهُمْ : ان میں سے
فَاعْفُ : تو آپ درگزر کریں
عَنْهُمْ : ان سے
وَاصْفَحْ : اور نظر انداز کریں
اِنَّ اللّٰهَ : یقیناً اللہ
يُحِبُّ : پسند کرتا ہے
الْمُحْسِنِيْنَ : احسان کرنے والوں کو
وَمِنَ الَّذِيْنَ : اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے
قَالُوْٓا : کہا
اِنَّا : کہ ہم
نَصٰرٰٓى : نصاریٰ ہیں
اَخَذْنَا : ہم نے لیا
مِيْثَاقَهُمْ : ان سے عہد
فَنَسُوْا : تو انہوں نے بھلا دیا
حَظًّا : ایک حصہ
مِّمَّا : اس میں سے
ذُكِّرُوْا : ان کو نصیحت کی گئی
بِهٖ : جس سے
فَاَغْرَيْنَا : تو ہم نے چپکا دیا
بَيْنَهُمُ : ان کے مابین
الْعَدَاوَةَ : عداوت کو
وَالْبَغْضَآءَ : اور بغض کو
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ : قیامت کے دن تک
وَسَوْفَ : اور عنقریب
يُنَبِّئُهُمُ : جتا دے گا ان کو
اللّٰهُ : اللہ
بِمَا : وہ جو
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ : وہ کاریگری کیا کرتے تھے

نوٹ ۱: ''سَوَآءَ السَّبِيْلِ'' مرکب اضافی ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ''راستے کا درمیان'' بنتا ہے' لیکن اردو میں اس مفہوم کے لیے مرکب توصیفی ''درمیانی راستہ'' استعمال ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''سَوَآءَ السَّبِيْلِ'' اور ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' قرآن مجید کی اہم اصطلاحات ہیں جن کا اصطلاحی مفہوم اردو ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کے معانی مراد کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ یہ وضاحت تفہیم القرآن سے ماخوذ ہے۔

یہ دنیا ہر انسان کا کمرۂ امتحان ہے۔ اور امتحان کی غرض سے ہر انسان کے اندر بہت سی مختلف اور باہم متصادم صلاحیتوں' جذبات اور رجحانات کو ودیعت کر کے اسے امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے۔ ہمارے نفس اور جسم کے تقاضے بھی مختلف ہیں جبکہ روح اور طبیعت کے بھی مختلف تقاضے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہم کسی موڈ میں ہوتے ہیں اور کبھی ہمارا موڈ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے باہمی ربط وتعلقات سے جو اجتماعی زندگی وجود میں آتی ہے وہ بھی بہت پیچیدہ اور متصادم تعلقاتِ باہمی سے مرکب ہوتی ہے' جس کے نتیجے میں یہاں ہر شخص کے جہاں کچھ حقوق ہیں' وہیں اس کے کچھ فرائض بھی ہیں۔ پھر اس دنیا میں جو سامانِ زندگی ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے' اسے استعمال کرنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر بھی انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہت سے پیچیدہ اور متصادم مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے پورے عرصۂ حیات پر پھیلے ہوئے تمام مسائل کے ہر پہلو پر بیک وقت ایک متوازن نظر ڈال سکے۔ اس لیے وہ خود اپنی زندگی کے لیے کوئی ایسا راستہ نہیں بنا سکتا جس میں اس کے سارے جذبات و رجحانات میں توازن قائم رہ سکے اور تمام انفرادی و اجتماعی تقاضوں کے ساتھ وہ انصاف کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کا راستہ خود متعین کرتا ہے تو ضروریات میں سے کوئی ایک ضرورت اور مسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ اس کے دماغ پر اس طرح مسلّط ہو جاتا ہے کہ دوسری ضروریات اور مسائل کے ساتھ وہ بالا رادہ یا بلا ارادہ ناانصافی کرنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے' جس کے لیے قرآن مجید کی اصطلاح فساد ہے۔ انسان کی یہ کج روی اپنی انتہا کو پہنچنے لگتی ہے تو باقی ضروریات اور مسائل بغاوت کر کے زور لگاتے ہیں کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ پھر انسان ان میں سے کچھ کی طرف توجہ کر کے اور باقیوں کو نظر انداز کر کے ایک نئی ٹیڑھی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی خود ساختہ ٹیڑھی میڑھی (zig zag) راہوں پر اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

زندگی کی ایک راہ ایسی بھی ہے جو ان ٹیڑھی میڑھی راہوں کے عین وسط میں واقع ہے۔ جس میں نہ کوئی افراط ہے اور نہ تفریط۔ اس لیے اس راہ پر سفر کرتے ہوئے انسان اپنی تمام ضروریات کو ان کا حق دے سکتا ہے اور مسائل کے ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں حل کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیوی زندگی اطمینان اور سکون سے بسر کر سکتا ہے اور دائمی زندگی میں اپنی مراد پا سکتا ہے۔ ہر انسان کی فطرت اسی درمیانی اور متوازن راہ کو تلاش کرتی لیکن انسان اسے معلوم کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس کی نشاندہی وہی ہستی کر سکتی ہے جو انسان کی مصور (designer) اور خالق ہے۔ اور اس نے اپنے رسول اسی لیے بھیجے کہ اس راہ کی طرف وہ انسانوں کی راہنمائی کریں۔ قرآن اسی راہ کو سَوَاءَ السَّبِيْلِ اور اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتا ہے۔

علم وحی سے محروم بعض فلسفیوں نے یہ دیکھ کر کہ انسانی زندگی پے در پے ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف دھکے کھاتی چلی جا رہی ہے' یہ غلط نتیجہ نکال لیا کہ ''جدلی عمل'' (dialectical process) انسانی زندگی کے ارتقاء کا فطری طریق ہے۔ چنانچہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ انسان کے ارتقاء کا راستہ یہ ہے کہ پہلے ایک انتہا پسندانہ دعویٰ (thesis) اسے ایک رخ پر بہا لے جائے' پھر اس کے جواب میں دوسرا انتہا پسندانہ دعویٰ (antithesis)

اسے دوسری انتہا کی طرف کھینچے اور پھر دونوں کے امتزاج (synthesis) سے ارتقاءِ حیات کا راستہ بنے۔ حالانکہ دراصل یہ ارتقاء کی راہ نہیں ہے بلکہ بدنصیبی کے دھکے ہیں جو انسانی زندگی کے فلاحی ارتقاء میں مانع ہو رہے ہیں۔ فلاحی ارتقاء کی راہ یعنی سواء السبیل علمِ وحی کی روشنی کے بغیر نظر نہیں آتی اور اس پر ثابت قدم رہنا ایمان کی قوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

نوٹ ۲: آج کل کے عیسائیوں کے حالات سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ باہم متحد ہیں، لیکن آیت زیر مطالعہ میں بات ان لوگوں کی ہے جو عیسائی مذہب کے پابند ہیں۔ ان کی فرقہ بندی اور عداوت آج بھی ہے، خصوصاً کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی عداوت (معارف القرآن سے ماخوذ)۔ دنیوی سطح پر عیسائیوں کے باہمی بغض اور عداوت کی وجہ سے گزشتہ صدی میں انسانیت کو دو عالمگیر جنگوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وقتی طور پر یہ عداوت کچھ دب گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی ہے۔ اس کا اظہار دوبارہ جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ کے رویہ سے ہو رہا ہے جو انہوں نے امریکہ اور برطانیہ کے خلاف عراق کے مسئلہ پر اختیار کیا ہوا ہے (فروری ۲۰۰۳ء)۔

آیات ۱۵ تا ۱۹

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا
عَنْ كَثِيْرٍ ۥ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ
يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ
اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا
مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾

ف ت ر

فَتَرَ يَفْتُرُ (ن) فُتُوْرًا : تیزی کے بعد ساکن ہونا۔ یعنی وقفہ آنا یا سست پڑنا، ہلکا ہونا۔ ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾﴾ (الانبیاء) ''تسبیح کرتے ہیں رات اور دن کے وقت، وہ لوگ سست نہیں پڑتے۔''

فَتْرَةٌ (اسم ذات) : وقفہ، سستی۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَتَّرَ (تفعیل) تَفْتِيْرًا: وقفہ دینا، سست کرنا، ہلکا کرنا۔ ﴿لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ﴾ (الزخرف:۷۵) ''وہ ہلکا نہیں کیا جائے گا ان سے۔''

ترکیب

''کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ'' کو ماضی استمراری بھی مانا جا سکتا ہے' لیکن ہماری ترجیح یہ ہے کہ ''کُنْتُمْ'' کو فعل ناقص اور ''تُخْفُوْنَ'' کو اس کی خبر مانا جائے اور ترجمہ جملہ اسمیہ کا کیا جائے۔ ''یَهْدِیْ بِهٖ'' میں ضمیر واحد آئی ہے اور ''بِهِمَا'' نہیں آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ'' ایک ہی چیز ہے۔ ''یَهْدِیْ'' کا مفعول اول ''مَنْ'' ہے اور ''سُبُلَ السَّلَامِ'' مفعول ثانی ہے۔ ''هُوَ'' ضمیر فاصل ہے اور ''اَلْمَسِیْحُ'' خبر ہے جبکہ ''اِبْنُ مَرْیَمَ'' اس کا بدل ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ : اے اہل کتاب!
قَدْ جَآءَ : آ چکا ہے
كُمْ : تمہارے پاس
رَسُوْلُنَا : ہمارا رسول
یُبَیِّنُ : جو واضح کرتا ہے
لَكُمْ : تمہارے لیے
كَثِیْرًا : بہت کچھ
مِّمَّا : اس میں سے جو
كُنْتُمْ : تم لوگ
تُخْفُوْنَ : چھپاتے ہو
مِنَ الْكِتٰبِ : کتاب میں سے
وَیَعْفُوْا : اور وہ درگزر کرتا ہے
عَنْ كَثِیْرٍ : بہتوں سے
قَدْ جَآءَ كُمْ : آ چکا ہے تمہارے پاس
مِّنَ اللّٰهِ : اللہ (کی طرف) سے
نُوْرٌ : ایک نور
وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ : اور ایک واضح کتاب
یَّهْدِیْ : ہدایت دیتا ہے
بِهِ : اس سے
اللّٰهُ : اللہ
مَنِ : اس کو جس نے
اتَّبَعَ : پیروی کی
رِضْوَانَهٗ : اُس کی رضا کی
سُبُلَ السَّلٰمِ : سلامتی کی راہوں کی
وَیُخْرِجُهُمْ : اور وہ نکالتا ہے ان کو
مِّنَ الظُّلُمٰتِ : اندھیروں سے
اِلَی النُّوْرِ : نور کی طرف
بِاِذْنِهٖ : اپنے حکم سے
وَیَهْدِیْهِمْ : اور وہ ہدایت دیتا ہے ان کو
اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ : ایک سیدھے راستے کی طرف

لَقَدْ كَفَرَ : یقیناً کفر کیا ہے
الَّذِیْنَ : ان لوگوں نے جنہوں نے
قَالُوْٓا : کہا
اِنَّ : کہ
اللّٰهَ : اللہ
هُوَ الْمَسِیْحُ : مسیحؑ ہی ہے
ابْنُ مَرْیَمَ : جو بی بی مریم کا بیٹا ہے
قُلْ : آپؐ کہیے
فَمَنْ : تو کون
یَّمْلِكُ : اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ : اللہ سے (اس کے مقابلہ پر)
شَيْـًٔا : کچھ بھی

اِنْ : اگر
اَرَادَ : وہ ارادہ کرے

اَنْ : کہ
يُّهْلِكَ : وہ ہلاک کرے

الْمَسِيْحَ : مسیحؑ کو
ابْنَ مَرْيَمَ : جو بی بی مریم کا بیٹا ہے

وَاُمَّهٗ : اور اُس کی والدہ کو
وَمَنْ : اور اُن کو جو

فِي الْاَرْضِ : زمین میں ہیں
جَمِيْعًا : سب کو

وَلِلّٰهِ : اور اللہ ہی کی ہے
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : زمین اور آسمانوں کی بادشاہت

وَمَا : اور اس کی جو
بَيْنَهُمَا : ان دونوں کے درمیان ہے

يَخْلُقُ : وہ تخلیق کرتا ہے
مَا يَشَآءُ : جو وہ چاہتا ہے

وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز پر

قَدِيْرٌ : قادر ہے
وَقَالَتِ : اور کہا

الْيَهُوْدُ : یہودیوں نے
وَالنَّصٰرٰى : اور نصاریٰ نے

نَحْنُ : ہم
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ : اللہ کے بیٹے ہیں

وَاَحِبَّآؤُهٗ : اور اس کے چہیتے ہیں
قُلْ : آپؐ کہہ دیجیے

فَلِمَ : پھر کیوں
يُعَذِّبُكُمْ : وہ عذاب دیتا ہے تم کو

بِذُنُوْبِكُمْ : تمہارے گناہوں کے سبب سے
بَلْ : بلکہ

اَنْتُمْ : تم لوگ
بَشَرٌ : ایک بشر ہو

مِّمَّنْ : اس میں سے جو
خَلَقَ : اس نے تخلیق کیا

يَغْفِرُ : وہ بخشتا ہے
لِمَنْ : اس کو جس کو

يَّشَآءُ : وہ چاہتا ہے
وَيُعَذِّبُ : اور وہ عذاب دیتا ہے

مَنْ : اس کو جس کو
يَّشَآءُ : وہ چاہتا ہے

وَلِلّٰهِ : اور اللہ ہی کی ہے
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : زمین اور آسمانوں کی بادشاہت

وَمَا : اور اس کی جو
بَيْنَهُمَا : ان دونوں کے درمیان ہے

وَاِلَيْهِ : اور اس کی طرف ہی
الْمَصِيْرُ : لوٹنا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ : اے اہل کتاب
قَدْ جَآءَكُمْ : تمہارے پاس آ چکا ہے

رَسُوْلُنَا : ہمارا رسول
يُبَيِّنُ : وہ کھولتا ہے

(باقی صفحہ 33 پر)

مؤمن‘ مؤمن کا آئینہ ہے

مدرّس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَلَیْہِ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُہٗ مِنْ وَرَائِہٖ)) (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے‘ اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے۔‘‘

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔ جس طرح آئینے میں دیکھنے سے چہرے کے داغ دھبے نظر آجاتے ہیں اسی طرح ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان بھائی کی صحبت میں رہتا ہے تو اس کی اچھی بری عادات سے واقف ہو جاتا ہے۔ چونکہ خود انسان اپنے خوب و زشت سے واقف نہیں ہوتا اس لیے ضرورت ہے کہ دوسرا شخص اس کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو جو اسے اس کی خامیوں سے آگاہ کرے اور یہ چیز اسے آمادہ کرے کہ وہ اپنی خامیاں دور کرنے کی کوشش کرے۔

آئینہ حقیقت نمائی کا کام کرتا ہے‘ وہ نہ کسی دوست کی رعایت کرتا ہے اور نہ دشمن پر الزام لگاتا ہے۔ وہ داغ دھبوں کو بعینہٖ اسی طرح دکھاتا ہے جیسا کہ وہ حقیقت میں ہوتے ہیں‘ نہ بڑھا چڑھا کے دکھاتا ہے اور نہ کم کر کے۔ اسی طرح ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو آئینے کی طرح ہو بہو بتاتا ہے‘ اپنی طرف سے نہ زیادتی کرتا ہے نہ کمی۔ صرف حق نمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ اگر آئینہ دیکھنے والے میں کوئی خامی ہو تو آئینہ وہ خامی چھپاتا نہیں بلکہ اس پر ظاہر کر دیتا ہے‘ تاکہ وہ اپنی خامی دور کرے۔ اس سلسلہ میں آئینے کا کام صد فیصد حق نمائی ہوتا ہے۔ آئینہ جب کسی کا عیب دیکھتا ہے تو اُسے دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کا عیب معلوم کر لیتا ہے تو ہمدردی کے ساتھ اس کو بتاتا ہے تاکہ وہ اس کی اصلاح کر لے اور وہ دوسروں کو اس کا عیب بتا کر اسے رسوا نہیں کرتا۔

آئینہ حقیقت نمائی انتہائی دیانت داری سے کرتا ہے۔ جس شخص کو آئینہ اس میں موجود عیب دکھاتا ہے گویا وہ اس کو بتا رہا ہوتا ہے کہ تمہاری ذات اور تمہارے عمل میں یہ چیزیں بدنما ہیں‘ لہٰذا ان کی اصلاح کر لو۔ اس پر وہ شخص غصے میں آکر آئینہ نہیں توڑتا کہ اس نے مجھے میرے داغ دھبے دکھائے ہیں‘ بلکہ وہ اپنی اصلاح اور درستگی کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دوست اپنے دوست کو اس کی خامیوں یا نامناسب عادات پر مطلع کرتا ہے تو اسے اپنے دوست پر ناراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے دوست کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اپنی بری عادت چھوڑ

(۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الادب‘ باب فی النصیحۃ والحیاطۃ۔

دینی چاہیے۔ اچھا انسان آئینے کو محبوب جانتا ہے' اس لیے کہ وہ اسے حقیقت حال سے پوری دیانت داری کے ساتھ واقف کرتا ہے۔ انسان خود اپنی کمزوریوں اور عیبوں سے واقف نہیں ہوتا' اس عدم واقفیت کی بنا پر وہ اپنے عیوب کو برداشت کیے رکھتا ہے' لیکن جب کوئی دوسرا اسے آئینے کی طرح آگاہ کرتا ہے تو اس کے لیے اپنے عیوب دور کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ جو عیب مجھ میں ہے وہ میرے لیے ضرر رساں ہے یا دوسروں کے لیے قابل اعتراض ہے' ان کو برا لگتا ہے' تو وہ اس عیب کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک شخص آئینے کے بغیر اپنے چہرے کے خدوخال نہیں دیکھ سکتا۔ یہ آئینہ ہی ہے جو اس کو حقیقت حال سے واقف کرتا ہے۔ آئینہ اس کا ناصح ہے۔ جو شخص اپنے دوست کا عیب دیکھے وہ نہ صرف اس کو بتائے بلکہ پوری خیر خواہی کے ساتھ کوشش کرے کہ وہ عیب اس سے دور ہو جائے' تاکہ اس عیب کی وجہ سے نہ اسے نقصان پہنچے اور نہ دوسرے اس کو برا جانیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جو کسی کا عیب جان لے وہ دوسروں کو بتا کر مسلمان بھائی کو رسوا نہ کرے' نہ اس کے عیب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرے اور نہ اس بیان میں اپنے غصے کو شامل کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو عیب دار جوابی کارروائی کی فکر میں پڑ جائے گا اور اپنے عیب کو دور کرنے کی بجائے ناصح کے سچے یا جھوٹے عیب بیان کرنے لگے گا۔ اس سے اصلاح کے بجائے انتشار اور افتراق پھیلے گا' یعنی فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔ جس کو اس کا عیب پوری خیر خواہی سے بتایا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے اور اس عیب کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اگر وہ عیب نہ ہو تو فکر مند ہو جائے کہ ایسا عیب آئندہ بھی میرے کردار میں پیدا نہ ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق ؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''مجھے سارے لوگوں میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو مجھے میرے عیوب کی طرف متوجہ کرے''۔ (روایت از مولانا سمیع الحق) اسی طرح کسی آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ان کے کسی عیب کی نشاندہی کی تو آپؓ نے فرمایا: ''اگر یہ عیب میرے اندر موجود ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور اگر میرے اندر یہ عیب موجود نہیں تو اللہ تجھے معاف کر دے''۔ (روایت از مولانا سمیع الحق)

زیر مطالعہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے مسلمان بھائی کے لیے آئینہ ہے اور وہ اپنے بھائی میں وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو وہ خود نہیں دیکھ سکتا۔ عام طور پر ایک شخص اپنے عیبوں سے واقف نہیں ہوتا' اسے کسی اور کے بتانے سے پتا چلتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آئینے کے بغیر اپنے چہرے کے داغ دھبوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس بات سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو اس کے عیب سے مطلع کریں' لیکن انداز ایسا ہونا چاہیے کہ دوست اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔ اگر مطلع کرنے میں حکمت سے کام نہ لیا گیا تو یہ دوست کو ناراض (offend) کر سکتا ہے' جس سے نہ تو وہ اپنی خامی دور کرے گا اور نہ ہی بتانے والے کو اپنا ہمدرد اور دوست جانے گا۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' لہٰذا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بھائی کا ہمدرد ہو۔ اس پر کوئی آفت' مصیبت یا پریشانی آئے تو اُس کی مدد کرے اور ہر وقت اس کی بھلائی پیش نظر ہو۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی یہی جذبہ ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنی کوئی چیز امانت کے طور پر اس کے پاس رکھے تو اس کی اسی طرح حفاظت اور پاسبانی کرے جس طرح اپنی چیزوں کی کرتا ہے۔

❁❁❁

ایمان کا قرآنی تصوّر

نذیر احمد علائی ☆

قرآن میں ایمان کے معنی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ......﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''(اے نبی ﷺ!) تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے کہ) ایمان (کیا ہے)۔''

اس آیت کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''ایمان و اعمالِ ایمانیہ کی تفاصیل جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔ نفسِ ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے''۔ اس سے یہ مطلب نکلا کہ تشریعی ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

لفظ 'ایمان' قرآن میں متعدد بار آیا ہے' جیسے: ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ......﴾ (المجادلة:۲۲) ''یہی (وہ پکے مسلمان) ہیں جن کے دلوں میں (اللہ نے) ایمان ثبت کر دیا ہے......'' ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ......﴾ (الحشر:۹) ''وہ لوگ (انصار) جو ان (مہاجرین) سے پہلے دار الاسلام میں مقیم ہیں اور ایمان لا چکے ہیں......'' ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ......﴾ (الروم:۵۶) ''اور (اُس وقت) کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا......''

ان آیات کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ایمان نجاتِ اخروی کے لیے کافی نہیں جب تک کہ اس کے تمام تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔

ایمان کی اہمیت وضرورت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ لفظ ایمان قرآن پاک میں کم وبیش ۴۵ مقامات پر آیا ہے' اور قرآن نے جس ایمان کی ترغیب دی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حقیقی اور خالص اسی کا بندہ بن جائے' اس لیے باایمان شخص کی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ ایمان اس کو گوشہ نشینی سے نکال کر دُنیوی سرگرمی میں شامل کر دے۔

ایمان اور عمل

ایمان کا تعلق بنیادی عقائد سے ہے اور اسلام کا تعلق عبادات واحکامات سے ہوتا ہے' یعنی ایمان کا تعلق عقائد اور اسلام کا تعلق اعمال سے ہے' جیسے قرآن میں متعدد مقامات پر ''اٰمَنُوْا'' کے ساتھ ''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

☆ ریسرچ سکالر' شعبہ دینیات' سنی' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

اس اہتمام والتزام کے ساتھ آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس لحاظ سے ہر مؤمن کے ایمان کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس سے اعمال صالحہ لازماً وجود پذیر ہوں۔

تدبّر کی اہمیت

ایمان میں سب سے زیادہ اضافہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کتاب اللہ پر مسلسل تدبّر وتفکر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنے ایمان کو تازہ وشاداب رکھنے کا اہتمام والتزام نہیں کرتے' ان کا ایمان دیکھ بھال سے محروم ہونے کے سبب سے جلد فنا ہو جاتا ہے۔ گویا یہ اس پودے کی مثال ہے جو اتفاق سے ان کے آنگن میں اُگ گیا' لیکن نہ اس کو کبھی پانی کی اور نہ کبھی کھاد کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی' نہ کبھی اس کی گڑائی ہوئی اور نہ کبھی اس کو ناموافق ہواؤں اور تباہ کرنے والی بیماریوں سے بچانے کی سعی کی گئی۔

یوں تو اللہ تعالیٰ بہتوں کو ایمان بخش دیتا ہے' لیکن یہ ایمان پروان انہی لوگوں کے اندر چڑھتا ہے جو اس کی قدر وقیمت پہچانتے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۝۷﴾ (ابراھیم)

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا' اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''

چنانچہ کسی فرمانِ الٰہی کی قدردانی اور کسی نعمت کی صحیح شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی دل سے قدر کی جائے اور اس کا حق ادا کیا جائے۔ اور اگر اس کا حق ادا نہ کیا جائے تو آدمی نہ صرف اس کے فائدہ سے محروم رہتا ہے' بلکہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ اس کی اصل سے بھی محروم ہو جائے' جس کی تصریح قرآن نے یوں فرمائی ہے کہ مطلق خسارے سے بچنے کے لیے آدمی کو چار چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے: ایمان' عمل صالح' حق کی تلقین اور صبر کی تلقین۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۥ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝۳﴾ (العصر)

''قسم ہے زمانے کی' بے شک انسان صریح خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' انہوں نے نیک اعمال کیے' ایک دوسرے کو حق کی تاکید' اور صبر کی تلقین کی۔''

اس لحاظ سے اگر یہ چار اوصاف کسی انسان کے اندر نہ ہوں تو وہ اصل سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ نیز صبر انسان کی کامیابی کے لیے ضروری ہے' کیونکہ صابر انسان سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور انسان بڑی سے بڑی پریشانی سے بچ جاتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۵۳﴾ (الاعراف) ''وہ تو اپنے آپ کو برباد کر چکے' اور جو افترا وہ کرتے تھے وہ ان سے گم ہو گیا''۔ مذکورہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے بدی کمائی ہے۔

ایمان کی دو تصویریں

قرآن کریم سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ شدائد ومصائب کے مقابلے میں اپنے ایمان

پر ثابت قدم رہتے ہیں اللہ ان کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے‘ کیونکہ آزمائشیں ایمانی ظہور و اضافہ ہی کے لیے آتی ہیں۔ اللہ کی سُنّت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یوں ہی چھوڑ نہیں دیے جاتے ہیں‘ بلکہ وہ طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈال کر پرکھے جاتے ہیں‘ پھر اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو فبہا‘ ورنہ مؤمنوں کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا جاتا ہے‘ کیونکہ قرآن نے ایمان کی دو تصویریں پیش کی ہیں:

مثبت تصورِ ایمان اور منفی تصورِ ایمان: اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے سلسلے میں صادق الایمان لوگوں کا سوچنے کا انداز بالکل حقیقت پر مبنی ہے‘ اس کے برعکس منافقوں کا سوچنے کا انداز اللہ کے وعدوں کے متعلق حقیقت سے بہت دور ہے۔ مثلاً منافقین جن باتوں سے ڈرتے اور دوسروں کو ڈراتے ہیں وہی باتیں مؤمنوں کے ایمان اور ان کے عزم و حوصلہ کو بڑھاتی ہیں۔ اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ درج ذیل قرآنی آیات میں بیان ہوا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾﴾ (احزاب)

’’اور جب مؤمنوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا‘ اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اس بات نے ان کو نہیں بڑھایا مگر ایمان اور فرماں برداری میں۔‘‘

اللہ تعالیٰ لوگوں کو آزما کر دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں کون صادق ہے اور کون کاذب۔ اُسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ چنانچہ سورۃ العنکبوت میں فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾﴾

’’اور یقیناً ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے‘ پس اللہ ظاہر کر کے رہے گا ان کو جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔‘‘

اس طرح ایمان کا امتحان ہوتا ہے‘ جو ایمان کے جھوٹے مدعیوں اور سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کرنے والوں کا کردار ایک دوسرے کے مقابلہ میں پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾﴾ (العنکبوت)

’’کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟‘‘

دوسری جگہ آیا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ﴾ (البقرۃ: ۲۱۴)

’’کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے!‘‘

آزمائش میں ثابت قدمی دکھانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے‘ سورۃ الکہف میں ارشاد ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾﴾

''ہم ان کی خبر تم پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا۔''

یہ آیت اصحابِ کہف کے بیان میں آئی ہے کہ وہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے' عزم بالجزم کے ساتھ رہے تو ان کی اس عزیمت کے نتیجہ میں اللہ نے ان کی قوتِ ایمانی میں اتنا اضافہ کر دیا کہ وہ تمام مشکلات کو برداشت کرنے کے پوری طرح اہل ہوئے' کیونکہ سچے اہلِ ایمان کبھی مرعوب نہیں ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾﴾ (آل عمران)

''یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوگئی ہیں' پس ان سے ڈرو! تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا اور انہوں نے کہا: اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

یعنی منافقین کے یہ ڈراوے اہل ایمان کو مرعوب ودہشت زدہ کرنے کے بجائے ان کے ایمان کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں۔ اہل ایمان کی خصوصیات قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہیں' ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ (التوبۃ)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟ تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔''

یعنی جب بھی اَعداءِ اسلام اہل ایمان کی ایمان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ ان رکاوٹوں کے مقابل میں اہل ایمان کا حال اس فرمانِ الٰہی کی سچی تعبیر ہوتا ہے: ﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾﴾ (الاحزاب)

یہ آیت کریمہ اہل ایمان کے اعلیٰ کردار کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے بالمقابل منافقین کا سفلی کردار' کہ انہوں نے اللہ کے وعدوں کو فریب سمجھا۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾﴾

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا' نرا دھوکا تھا۔''

اس آیت میں اللہ کے وعدے کا مطلب جو منافقین نے سمجھا' وہ یہ کہ بلا کسی آزمائش کے قیصر وکسریٰ کے خزانے مل جائیں' یعنی ایمان لاتے ہی دنیا کی فرمانروائی حاصل ہو جائے۔ اس کے برعکس جو مطلب سچے اہل ایمان نے

سمجھا وہ یہ کہ سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوگا' گراں ترین قربانیاں دینی ہوں گی۔

اقرار باللّسان

لسانی ایمان کا تصور' یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں ان کا حال قرآن نے یوں ذکر کیا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝۸﴾ (البقرۃ)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یومِ آخر پر' درآں حالیکہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝۴۱﴾ (المائدۃ)

''اے نبی (ﷺ) یہ لوگ تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔ اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔ یہ جھوٹ کو بڑے ہی غور سے سنتے ہیں' اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس نہیں آتے۔ وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع محل معین ہو جانے کے بعد۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول کر لینا اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔ اور جس کو اللہ نے ہی فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔ ان کے لیے دنیا بھر میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

یعنی دل سے ایمان نہیں لائے' جو حقیقت میں ایمان ہے' صرف زبان سے فریب دینے کے لیے اظہارِ ایمان کرتے ہیں۔ مزید برآں ان کی ایمانی کیفیت متزلزل رہتی ہے' تذبذب میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دوسری آیات میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُۨ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ڗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۝۱۱﴾ (الحج)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔ تو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس پر مطمئن رہتا ہے' اور اگر اسے کوئی آزمائش آ جائے تو اپنے منہ کے بل الٹا پھر جاتا ہے۔ وہ خسارے میں رہا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہی تو کھلا خسارہ ہے!''

﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾﴾ (البقرۃ)

''قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔ جب بھی چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں' اور جب ان پر تاریکی طاری ہو جاتی ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾﴾ (المنٰفقون)

''یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی' سو وہ سمجھتے نہیں!''

یعنی یہ لوگ صرف دنیوی غرض سے دین اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھتے ہیں تو بظاہر بندگی پر قائم نظر آتے ہیں اور اگر تکلیف و مصیبت پاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی دنیا بھی گئی دین بھی گیا' کنارے پر کھڑے ہیں۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگوں کی ایک ایمانی کیفیت یہ بھی ہے جس کو قرآن نے بایں الفاظ واضح کر دیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾﴾ (النساء)

''کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اس پر بھی جو (اے نبی ﷺ) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا' وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے طاغوت سے کروائیں' حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔''

اس اعتبار سے ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ اتمامِ حجت کا ذکر کر رہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾﴾ (المنٰفقون)

''(اے نبی ﷺ!) ان پر برابر ہے کہ تم ان کے لیے بخشش مانگو یا ان کے لیے بخشش نہ مانگو۔ اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾﴾ (التوبۃ)

''(اے نبی ﷺ!) تم ان کے لیے استغفار کرو یا ان کے لیے استغفار نہ کرو (ان کے لیے برابر ہے)۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

ایمان کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ مؤمن کا اعلیٰ کردار ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ آگاہ ہو جاؤ کہ وہی بیوقوف ہیں' لیکن انہیں علم نہیں۔''

مذکورہ آیت کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں کہ'' النَّاس '' سے یہاں مراد وہ مسلمان ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے(تدبرِ قرآن' مولانا امین احسن اصلاحیؒ:۱۲/۱' تاج کمپنی' دہلی' ۱۹۸۹ء)' جبکہ علامہ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ''النَّاس ''میں تمام مؤمنین شامل ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (البقرۃ)

''پھر (اے مسلمانو!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو پھر وہی ضد پر ہیں۔تو (اے نبی ﷺ!) تمہارے لیے ان کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اس آیت کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ''مثل'' سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تمام مؤمنین رسل و کتب پر ایمان لائے۔یعنی اگر یہی کلمہ جامعہ وہ بھی قبول کر لیں' جس طرح تم تمام انبیاء اور تمام ہدایتوں پر ایمان لائے ہو اسی طرح یہ بھی ایمان لائیں تو بلاشبہ وہ راہ یاب ہوں گے۔یہ مفہوم اس صورت میں ہوگا جب مثل کو مثل ہی مان لیا جائے' لیکن جب مثل کو''الَّذِیْ'' کے معنی میں لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ایمان لائے اُس پر جس ذات پر تم ایمان لائے ہو۔ (تدبرِ قرآن:۳۴۹/۱)

اسی طرح اور بھی آیات ہیں جو نمونہ مؤمن کی طرف اشارہ کرتی ہیں' جیسے ایک حقیقی مؤمن کی پہچان یہ بھی ہے کہ اللہ کی آیات میں جو لوگ جھگڑتے ہیں ان سے سخت بیزار رہتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ (المؤمن)

''جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔یہ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ان کے نزدیک جو ایمان لائے۔اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

اسی طرح ایک حقیقی مؤمن کی پہچان یہ بھی ہے کہ جو وہ کہتا ہے اس کو کر گزرتا ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بہت ناپسند فرمایا ہے جو وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ (الصف)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔‘‘

نیز جادوگروں نے حضرات موسیٰ و ہارون ؑ کو نمونہ ایمان تسلیم کیا‘ جیسے:

﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝۷۰﴾ (طٰہٰ)

’’پس گرا دیے گئے جادوگر سجدے میں‘ وہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر!‘‘

یہی مضمون دوسری جگہ یوں آیا ہے:

﴿قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۴۸﴾ (الشعراء)

’’وہ کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ہیں‘ جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔‘‘

مؤمن پر مؤمن کی فضیلت

مؤمن پر مؤمن کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ایک مؤمن اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور دوسرا بیٹھا رہتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا مؤمن اللہ کی بخشش و مہربانی کے اعتبار سے زیادہ اونچا درجہ رکھتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۹۵ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶﴾ (النساء)

’’برابر نہیں ہیں اہل ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ اللہ نے فضیلت دی ہے ان مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں‘ بیٹھے رہنے والوں پر‘ ایک بہت بڑے درجے کی۔ (اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔ لیکن اللہ نے فضیلت دی ہے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجر عظیم کی (صورت میں)۔ (اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

خلاصۂ بحث

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوچ عام ہے کہ نجات کے لیے صرف چند باتوں کو مان لینا کافی

ہے' اَعمال واَخلاق کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ اس پر نجات کو منحصر سمجھیں۔ یہ خیال پہلے صرف چند فرقوں تک محدود تھا' لیکن موجودہ زمانے میں یہ اکثریت کا وطیرہ بن گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وعمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ اس سے اعمالِ صالحہ لازماً وجود پذیر ہوں۔ مفسرِ قرآن شیخ گیسودراز کا تفسیری نکتہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (الصّٰفّٰت) ''ما'' موصولہ کی صورت میں ترجمہ ہو گا کہ'' اللہ نے تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ پیدا فرمایا۔'' (شیخ گیسو دراز: شرح آداب المریدین' ص ٢٦)۔ صحیح بات بھی یہی لگتی ہے کہ جب مطلق طور پر برے خیال وسوچ پر کوئی مؤاخذہ' کوئی سزا نہ ہوگی جب تک کہ اس خیال پر عمل نہ ہو' اسی طرح سے علی الاطلاق ایمان لانے سے (صرف اقرار باللسان سے) انسان کو کامل فلاح وکامرانی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو۔

❁❁❁

بقیہ: ترجمۂ قرآن مجید

لَكُمْ: تمہارے لیے	عَلٰى فَتْرَةٍ: وقفہ پر
مِّنَ الرُّسُلِ: رسولوں کے	اَنْ: کہ (کہیں)
تَقُوْلُوْا: تم کہو	مَا جَآءَنَا: نہیں آیا ہمارے پاس
مِنْ بَشِيْرٍ: کوئی بھی بشارت دینے والا	وَّلَا نَذِيْرٍ: اور نہ ہی کوئی خبردار کرنے والا
فَقَدْ جَآءَكُمْ: تو آ چکا ہے تمہارے پاس	بَشِيْرٌ: ایک بشارت دینے والا
وَّنَذِيْرٌ: اور خبردار کرنے والا	وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ: ہر ایک چیز پر	قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی درمیانی مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا' اس میں کبھی وقفہ نہیں ہوا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک کے درمیانی عرصہ میں سلسلہ انبیاء بند رہا۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔ اسی لیے اس زمانے کو زمانۂ فترۃ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

❁❁❁

To read Nida,Mesaq and Hikmat and
For More Infomation Plz visit Our Webside

www.tanzeem.org

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حیات اور علمی وملی خدمات کا مختصر تعارف

ڈاکٹر محمد جنید ندوی☆

حرفِ آغاز

بیسویں صدی میں اُمتِ مسلمہ کے علمی اور دینی افق کو درخشاں کرنے والے ایک ستارے کا نام ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ'' ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی جو مولانا علی میاں (۱) کے نام سے زیادہ معروف اور مقبول ہوئے' ایک نامور عالم دین ومربی' ایک بلند پایہ مصنف ومفکر' ایک سحر انگیز خطیب وزعیم' ایک دردمند مبلغ و مصلح' ایک منفرد مؤرخ وسیرت نگار اور صاحب طرز ادیب تھے۔ مولانا علی میاں علم وفضل' سنجیدگی' فکر ونظر' اخلاص وتقویٰ' عبادت وریاضت اور خشیت وطاعت جیسی صفات کا مرقع تھے۔ بلاشبہ ان تمام اوصافِ حمیدہ کے مجموعے نے ہی انہیں بیسویں صدی کے احیائے اسلام کے معماروں میں ایک منفرد مقام پر فائز کر دیا ہے۔(۲)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حیات اور ان کی علمی وملی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو قلم بند کرنا ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم زیر نظر مقالے میں اختصار کے ساتھ' مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حالاتِ زندگی' تعلیم وتربیت اور ان کی تدریسی' علمی اور ملی خدمات کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حالاتِ زندگی

سید ابوالحسن علی ندویؒ ۶ محرم ۱۳۳۳ھ مطابق (۳) ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء (۴) رائے بریلی' یوپی' انڈیا میں پیدا ہوئے اور ۲۳ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے (۵)۔ مولانا علی میاں ایک ایسے معزز ومحترم خانوادۂ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد وہدایت اور دعوت و جہاد میں بڑا نام رکھتا تھا۔ اس خانوادے کا سلسلہ نسب حضرت حسنؓ بن علیؓ ابن ابی طالب کے ساتھ جا ملتا ہے۔ مجاہد ملت حضرت سید احمد شہیدؒ کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا (۶)۔ مولانا علی میاں کے والد اور والدہ دونوں علم وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی (متوفی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء) کتاب ''نزھۃ الخواطر (۷) '' کے مؤلف تھے' جو پانچ ہزار نامور ہندوستانی مسلمانوں کے تذکرے پر مشتمل ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب ''گل رعنا'' بھی آپ ہی کی تالیف ہے جو اردو کے نامور شعراء کا پہلا مربوط تذکرہ ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم اور دینی وعلمی حلقوں میں

☆ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ مولانا علی میاں کی والدہ ''سیدہ خیر النساء'' انتہائی پاکباز اور نیک سیرت خاتون تھیں' حافظۂ قرآن اور شاعرہ بھی تھیں۔ ان کی حمد و نعت کا ایک مجموعہ ''باب رحمت'' ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں (۸) اور ''حسن معاشرت'' کے نام سے خواتین کے لیے ایک مفید اور مختصر کتاب بھی شائع ہوئی تھی۔ (۹)

تعلیم و تربیت

مولانا علی میاں کی عمر صرف ۹ سال تھی جب ان کے والد مولانا سید عبدالحی کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ مولانا علی میاں کی تعلیم و تربیت رائے بریلی میں ان کی والدہ نے اور لکھنؤ میں ان کے برادرِ بزرگ ڈاکٹر عبدالعلیؒ نے کی' جو دینی اور دُنیوی علوم کے جامع تھے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم بھی رہے (۱۰)۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز حفظِ قرآن مجید سے کیا۔ پھر عربی' فارسی اور اردو میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ' دار العلوم دیوبند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور سے دینی علوم کی تکمیل کی۔ (۱۱) سید رضوان علی ندوی کے بیان کے مطابق مولانا علی میاں نے' سال یا دو سال' عربی و انگریزی کی پرائیویٹ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ اور منظم تعلیم کی ابتدا اگست ۱۹۲۶ء مطابق محرم ۱۳۴۵ھ میں لکھنؤ یونیورسٹی سے کی تھی جو ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں فاضل عربی کی سند کی صورت میں ختم ہوئی (۱۲)۔ مولانا علی میاںؒ کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں: شیخ خلیل بن عرب الیمنی' مولانا حیدر حسن خان ٹونکی' مولانا شبلی جیراج پوری' مولانا احمد علی لاہوری' مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم۔ (۱۳)

تدریسی خدمات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تدریسی خدمات کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۴ء سے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کا ہے' جب مولانا علی میاں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب اور تفسیر و حدیث کے علاوہ منطق اور اسلامی تاریخ کے استاد تھے۔ اس دور کا اختتام ان کی عملی دعوتی تحریک کے قیام اور مصروفیات کی وجہ سے ہوا' جس کا مقصد طلبہ میں اسلامی اقدار کا احیا تھا۔ مولانا کی مستقل تدریسی خدمات کا دوسرا دور بھی ندوہ ہی کا ہے' جو یکم رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۴۳ء سے ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۴۵ء تک کا ہے۔ اس دور کے انقطاع کا سبب بھی ان کی دعوتی اور تبلیغی مصروفیات تھا۔ لیکن مولانا علی میاں ۱۹۴۳ء مطابق ۱۳۶۲ھ سے ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ کے عرصے میں ادارۂ تعلیماتِ اسلامی لکھنؤ کے مرکز میں قرآن و حدیث پر خصوصی لیکچرز دیتے رہے۔ ان لیکچرز کے منقطع ہونے کا سبب مشرق وسطیٰ کا سفر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ' دہلی منتقل بنا۔ مولانا علی میاں ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ میں ندوۃ العلماء کے مہتمم بھی رہے۔ ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۱ھ میں بیرونی دوروں سے وطن واپسی پر مرکز تبلیغی جماعت' کچہری روڈ' لکھنؤ میں سلسلۂ تدریس دوبارہ شروع ہوا' لیکن بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر طویل عرصے تک منقطع رہا اور پھر دوبارہ ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں جاری ہوا۔ پھر یہ سلسلۂ تدریس مولانا کی زندگی کے آخری ایام میں ماہِ رمضان میں اپنے ہی گھر پر (دائرہ شاہ علم اللہ) ہوتا رہا' جو ۱۹۹۸ء مطابق ۱۴۱۸ھ میں شدید علالت کے باعث منقطع ہو گیا۔ (۱۴)

علمی خدمات

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی علمی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنے کے لیے طویل وقت اور وسیع قرطاس کی ضرورت ہے۔ مولانا علی میاںؒ اُمتِ مسلمہ کے لیے، اپنی عربی اور اردو تصنیفات اور تحقیقات کا عریض، عمیق، متنوع اور قیمتی ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ آپ کے قلم نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں سلاست وسہولت سے ایسا ادبی اسلوب پیدا کیا ہے جس کی خوشبو مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ ذیل میں مولانا علی میاںؒ کی ان معروف تالیفات، تصنیفات، خطبات، تقاریر، خطوط اور انٹرویوز کا تعارف پیش کیا جائے گا جو اردو یا عربی زبان میں ہیں لیکن ان کا ترجمہ عربی، اردو اور انگریزی میں ہوا ہے اور اب کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتب کو حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے۔

اُردو تالیفات وتصنیفات

(۱) ابلیس کی مجلس شوریٰ: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مضمون ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں صاحب نے کیا ہے اور یہ مضمون اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ (۱۵)

(۲) ابوجہل کی نوحہ گری: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مضمون ہے، جس کا ترجمہ اب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۳) اپنے گھر سے بیت اللہ تک: اس تحریر میں مولانا علی میاں نے اپنے سفر حرمین شریفین کے قلبی تاثرات کو قلمبند فرمایا ہے۔

(۴) ارکانِ اربعہ: ''الارکان الاربعہ'' مولانا علی میاں کے قلم سے، اسلام کے بنیادی ارکان پر لکھی جانے والی مبسوط اور منفرد عربی کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''ارکانِ اربعہ'' کے نام سے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵) اسلام ایک تغیّر پذیر دنیا میں: مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا ایک فکر انگیز کتابچہ ہے جس میں انہوں نے دورِ جدید میں اسلامی نظامِ حیات کی بقا اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے اُمت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔

(۶) اسلام کا تعارف: اسلام کے بنیادی نظریات کے تعارف پر مشتمل مولانا کی کتاب ہے۔

(۷) اسلام کے قلعے: مولانا کے چند اردو مضامین پر مشتمل کتابچہ ہے جو رسالہ ''الفرقان'' اور ''الندوۃ'' میں شائع ہوئے تھے۔ مولانا علی میاں نے ان مضامین میں دینی مدارس کو چلانے کے مقاصد اور نصاب میں ترامیم کے لیے تفصیلی تجاویز دی ہیں۔ بعض نقائص اور خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے مدارسِ دینیہ عربیہ کے علماء کرام کو ان کی ذمہ داریاں بھی یاد دلائی ہیں۔ (۱۶)

(۸) اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق وفرائض: اسلام میں عورت کے مقام اور اس کے حقوق و فرائض کے حوالے سے مولانا علی میاں کی ایک گراں قدر اور مفید کتاب ہے۔

(۹) اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس مضمون میں بیسویں صدی میں

اٹھنے والی اسلامی تحریکات کے پس پشت عوامل، ان کے اثرات اور ان کے مستقبل کے بارے میں گراں قدر تجزیہ فرمایا ہے۔

(۱۰) اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین: اس کتاب میں اسلام پر تحقیق کے حوالے سے مستشرقین کے رویے اور مسلمان مصنفین کے معذرت خواہانہ رویے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت اور اس پر اعتراضات کا مختصر و مدلّل جواب بھی موجود ہے۔

(۱۱) اسماء حسنٰی: مولانا کا یہ کتابچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کی مختصر تفہیم اور تشریح پر مشتمل ہے۔

(۱۲) اصلاحیات: یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی باقاعدہ تالیف نہیں ہے بلکہ مولانا کی وہ ایمان افروز تقاریر ہیں جو آپ نے مختلف اوقات اور مقامات پر فرمائی ہیں۔

(۱۳) اقبال اور عصری نظامِ تعلیم: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مقالہ ہے، جس کا ترجمہ اب ''نقوش اقبال'' کا حصہ ہے۔ یہ عربی مقالہ قاہرہ یونیورسٹی (سابقہ جامعہ فواد الاول) میں ۵ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰/اپریل ۱۹۵۱ء کو پڑھا گیا۔(۱۷)

(۱۴) اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت: اصلاً عربی مقالہ ہے، لیکن اب مولانا کی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' سے ماخوذ ہے اور کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔(۱۸)

(۱۵) اقبال درِ دولت پر: اصل میں یہ مولانا کا ایک شاہکار عربی مضمون ہے، جو 'اقبال فی مدینة الرسول'' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں دِمشق ریڈیو سے نشر ہوا تھا۔ اسی عربی مضمون کو مولانا علی میاں نے اضافوں کے ساتھ، اردو زبان کے خوبصورت قالب میں ڈھالا ہے جو ''اقبال درِ دولت پر'' کے نام سے اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے علامہ اقبال کی نظم ''ارمغانِ حجاز'' کے مختلف حصوں سے، جسے وہ اقبال کے خیالی سفر حرمین الشریفین کی روداد قرار دیتے ہیں، اقبال کے اس روحانی سفر کی تفصیل کو دلنشیں انداز سے مرتب کیا ہے۔(۱۹)

(۱۶) اقبال کا پیغام بلادِ عربیہ کے نام: ایک عربی مقالے کا اردو ترجمہ ہے اور اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۱۷) اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر: یہ عربی مقالہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ کو قاہرہ کے مشہور تعلیمی مرکز اور دانش گاہ، دار العلوم میں پڑھا گیا۔ اس مقالے کا اُردو ترجمہ مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔(۲۰)

(۱۸) اقبال کا نظریہ علم و فن: ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ میں حجاز، مصر اور شام کے ایک سالہ قیام کے دوران مولاناؒ نے ''اقبال اور ان کے فکر و فن'' سے متعلق چند مقالات لکھے جو دار العلوم اور قاہرہ یونیورسٹی میں پڑھے گئے۔ ان کے اردو تراجم اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہیں۔(۲۱)

(۱۹) المرتضٰی کرم اللہ وجہہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی مفصل اور معروف کتاب

ہے، جو مولانا علی میاں نے عربی زبان میں تحریر کی۔ اس کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۲۰) اُمتِ اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد: اس تحریر میں مولانا علی میاںؒ کی دُور رَس نگاہوں نے اُمتِ مسلمہ کو مستقبل میں پیش آنے والے طوفانوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ آج اُمت اُن طوفانوں کی زد میں ہے۔

(۲۱) اُندلس: مولانا کے دور طالب علمی کا ایک مضمون ہے جس کا حوالہ تو خود مولانا نے دیا ہے، لیکن اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ (۲۲)

(۲۲) انسانِ کامل: اقبال کی نگاہ میں: یہ اس عربی مقالے کا دوسرا حصہ ہے جو مولانا نے قاہرہ یونیورسٹی (سابقہ جامعہ فواد الاول) میں ۵ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰/اپریل ۱۹۵۱ء کو پڑھا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ (۲۳)

(۲۳) انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات: مولانا نے یہ عربی کتاب ''**ما ذا خسر العالم بانحطاط المُسلمین**'' ۱۹۴۷ء میں لکھی۔ اس عربی کتاب نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین وصول کیا۔ یہ کتاب ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی اور اسے ''دار القرآن الکریم'' سوریہ (شام) نے بھی ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ یہ بیسویں صدی کی سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات'' کے نام سے اور دیگر کئی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ یہ کتاب اب ایک ''Classic'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا علی میاں نے اس کتاب میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور حکومت کا بے لاگ جائزہ لیا ہے۔ حکمرانوں کے بے لگام اختیارات، جبر اور تعیش، دین اور سیاست کی عملی تفریق، صلحائے اُمت کی جدوجہد اور اصلاحِ حال کی کوششیں، مسلمانوں کے زوال کے اثرات، یہ موضوعات اس علمی کاوش کا حصہ ہیں۔ اس کتاب کی دیگر خوبیوں کے علاوہ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے کے عظیم مجاہد اور مفکرِ اسلام سیّد قطب شہیدؒ نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، جو قابل ستائش ہے۔

(۲۴) انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: یہ مولانا کی عربی کتاب ''**ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**'' ہی کا اردو ترجمہ ہے، جسے عنوان کی معمولی تبدیلی کے ساتھ دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔

(۲۵) انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار: مولانا علی میاں نے اس کتاب میں سماجی اور عمرانی علوم میں اسلام کے تعمیری کردار کو پیش کرنے کے علاوہ دیگر فلسفوں کے نقائص کو بھی بے نقاب کیا ہے۔

(۲۶) انسانیت کے محسن اعظم ﷺ: رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر لکھا گیا کتابچہ ہے۔

(۲۷) ایک اہم دینی دعوت: ''تبلیغی جماعت'' کے مؤسس حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دعوت اس کتابچے کا موضوع ہے۔ مولانا علی میاں نے مولانا الیاسؒ کی دعوت کے اسلوب کی توضیح اور اُس کے اصول و مبادی اور فکری اساس پر قلم اٹھایا ہے۔ اسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔

(۲۸) ایک لمحہ جمال الدین افغانی کے ساتھ: یہ مولاناؒ کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے، جو اب ان کی

کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔[۲۴]

(۲۹) بصائر: برصغیر پاک و ہند کی دینی اور اصلاحی تحریکات کے اجمالی تعارف پر مشتمل کتابچہ ہے۔

(۳۰) پا جا سراغِ زندگی: مولانا نے اس کتاب میں ایک اہم ترین مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی نظر میں بیسویں صدی میں عالم اسلام کو درپیش سب سے اہم معرکہ' اسلام اور مغربیت کی کشمکش ہے۔ اور اس وقت نظامِ حکومت پر قابض طبقے' سوادِ اعظم اور عام مسلمانوں کے درمیان بھی ایک بڑی کشمکش برپا ہے۔ آج دنیا کی زمامِ کار جس طبقے کے ہاتھ میں ہے' اُس کے خیال میں اسلام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے' لہٰذا آج کے دور کا سب سے اہم معرکہ یہ ہے کہ اسلامی نظامِ حیات کی حقانیت و افادیت کو ثابت کرنے کے لیے علم و عمل کا وہ معیاری نمونہ سامنے آئے کہ زمانہ خود آگے بڑھ کر اسے قبول کر لے۔ اس گراں قدر تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی نے پہلی بار ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔[۲۵]

(۳۱) پرانے چراغ: اس تالیف میں مولانا نے بعض ان شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جن میں باہم فکری آویزش رہی ہے یا جن سے خود مولانا کے فکری اختلافات تھے۔ اس تذکرے میں ان معاصر شخصیات کی سوانح بھی ریکارڈ ہو گئی ہیں۔ اس تالیف میں مولانا کا اپنے استاد ''مولانا خلیل عرب'' کی یاد میں لکھا ہوا مقالہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ فردوس لکھنؤ نے ۱۹۷۵ء میں اور مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا[۲۶]۔ جنرل ضیاء الحق کو مسجد اقصیٰ کا ماڈل پیش کرتے وقت جو الفاظ ادا کیے وہ مولانا علی میاں کے جذبہ ایمانی' اُمت مسلمہ کی محبت اور حق و باطل کی کشمکش میں اُمت مسلمہ کے کردار کے بارے میں اُن کے تصور کی عکاسی کرتے تھے[۲۷]۔ اب اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۳۲) پندرھویں صدی ہجری ماضی و حال کے آئینے میں: یہ کتابچہ عالم اسلام کا چشم کشا جائزہ ہے۔

(۳۳) تاریخ دعوت و عزیمت: مولانا کی یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۵۴ء میں تصنیف کی گئی۔ اسے دارالمصنفین لکھنؤ نے شائع کیا تھا[۲۸]۔ اس جلد میں بنواُمیہ اور بنوعباس کے حکمرانوں کی حالت زار کا بیان ملتا ہے۔ کتاب میں بنواُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت کا بے لاگ جائزہ لیا گیا ہے۔ حکمرانوں کے بے لگام اختیارات' جبر اور تعیش' دین اور سیاست کی عملی تفریق' صلحائے اُمت کی جدوجہد اور اصلاحِ حال کی کوششیں' مسلمانوں کے زوال کے اثرات' یہ موضوعات اس علمی کاوش کا حصہ ہیں۔ پھر فتنۂ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش کا ذکر ہے' پھر اہم دینی اور فکری شخصیات کا تذکرہ ہے۔ دو جلدیں سیرت سید احمد شہیدؒ پر مشتمل ہیں۔ کتاب کی تیسری جلد ''مشائخ چشت'' کے حالات پر مبنی ہے۔ کتاب کی دوسری' چوتھی اور پانچویں جلد تین عظیم اسلامی شخصیات ابن تیمیہ' مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہیں۔ یہ کتاب علم الرجال یا سوانح حیات نہیں بلکہ دعوتِ اسلامی کی تحریک کو دوسری صدی ہجری سے تسلسل اور تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے جس کی آخری کڑی سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اصلاح و جہاد ہے۔ اس کتاب کو فکر اسلامی کی تاریخ بھی کہا جاتا ہے[۲۹]۔ یہ کتاب عربی زبان میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔ یہ کتاب مجلس تحقیقات و نشریاتِ

اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے ۱۹۶۳ء اور مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی نے ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔ اس کا انگریزی ترجمہ ''Saviours of Islamic Spirit'' کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے سات جلدوں میں دوبارہ شائع کیا ہے۔

(۳۴) **تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب**: یہ مولانا علی میاں کے عربی خطبات کا ایک سلسلہ تھا جو ابھی عربی کتاب کی شکل میں چھپ چکا ہے (۳۰)۔ اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبداللہ عباس ندوی نے ''تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب'' کے عنوان سے کیا ہے۔ کتاب مختصر، جامع اور بے حد مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ کی حکمت تبلیغ کا اسلوب اور ان کے ایمان افروز تجربات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۳۵) **تحفۂ پاکستان**: یہ کتاب مولانا کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو مئی ۱۹۸۴ء میں قیامِ کراچی کے دوران کی گئیں۔ کتاب کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے؟ انہیں کیا توقعات وابستہ تھیں؟ اہل پاکستان کے فکر و نظر میں کیا جھول ہے؟ انہیں منزل کے حصول کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ یہ کتاب مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کی تھی (۳۱)۔ اب دوبارہ شائع ہوئی ہے۔

(۳۶) **تحفۂ دین و دانش**: مالوہ، اُجین اور اندور کے مقامات پر کی گئی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

(۳۷) **تحفۂ کشمیر**: ان خطبات اور تقاریر کا مجموعہ ہے جو سری نگر کے مختلف مقامات پر کی گئیں۔

(۳۸) **تحفۂ مشرق**: مولانا کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو بنگلہ دیش میں کی گئیں۔

(۳۹) **تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد پوری**: مولانا علی میاں نے عصر حاضر کے بزرگ مشائخ کی سوانح عمریاں بھی لکھیں ہیں، جو ایک علیحدہ تاریخی اور صوفیانہ کام ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۴۰) **تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک**: یہ کتاب تزکیۂ نفس کی ضرورت اور اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں تصوف و سلوک بالفاظ دیگر تزکیۂ نفس کو الہامی نظام سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک اخلاق کی پاکیزگی اسی نظام کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔

(۴۱) **تعمیرِ انسانیت**: اسلام میں انسانیت کا مقام اور پیغام کے موضوع پر مولانا کی تالیف ہے۔

(۴۲) **تہذیب و تمدن پر اسلام کے احسانات**: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک اہم تالیف ہے۔

(۴۳) **جاہلیت کی بازگشت**: یہ مولانا کا ایک عربی مضمون ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ (۳۲)

(۴۴) **جب ایمان کی بہار آئی**: یہ اصلاً عربی کتاب ''اذا ھبّت ریح الایمان'' جہاد فی سبیل اللہ کے احیاء کے لیے لکھی گئی تھی۔ ۱۹۵۳ء مطابق ۱۳۷۲ھ میں، مولانا علی میاں نے تحریک اصلاح و جہاد کی اثر انگیز تاریخ کو سادہ عربی زبان میں مرتب کرنا شروع کیا تا کہ ہندوستان کی اسلامی تحریک کے قائد ''سید احمد شہید'' کا مقام و مرتبہ اور مؤمنانہ و مجاہدانہ کردار عرب دنیا کے سامنے آ جائے۔ بعد میں اس کتاب کو مولانا کے برادر زادے مولوی

محمد الحسنی نے ''جب ایمان کی بہار آئی'' کے نام سے اردو زبان میں منتقل کیا۔ کتاب سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے ایمان افروز واقعات سے لبریز ہے۔ (۳۳)

(۴۵) چاند: علامہ اقبال کی ایک اردو نظم ہے۔ مولانا علی میاں نے ۱۶ برس کی عمر میں اس کا عربی ترجمہ کیا تھا اور خود علامہ اقبال سے اس کی داد وصول کی تھی۔ (۳۴)

(۴۶) حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب (اُمیدوں اور اندیشوں کے درمیان): مولانا علی میاں کے سعودی عرب کی حکومت کے ساتھ خصوصی مراسم تھے لیکن اس کے باوجود بھی اس خیر خواہ اور دردمند دل رکھنے والے انسان نے اپنے ذاتی مصالح کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی بات کی۔ اس کی صحیح تصویر ان کی اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۴۷) حدیث پاکستان: مولانا کی یہ کتاب ۱۹۷۸ء میں دورۂ پاکستان کے دوران مختلف اجتماعات' جامعات اور مدارس میں کی جانے والی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا موضوع وہی ہے جو ''تحفۂ پاکستان'' کا ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ (۳۵)

(۴۸) حدیث کا بنیادی کردار: یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک اہم تالیف ہے۔

(۴۹) حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت: کتاب میں مولانا الیاس کی سوانح' ان کی دعوت کے اسلوب کی توضیح' اس کے اصول و مبادی اور فکری اساس کا بیان ہے۔ اسے کتب خانہ الفرقان لکھنؤ نے ۱۹۵۵ء میں اور مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ (۳۶)

(۵۰) حیات عبدالحی: اس کتاب میں مولانا نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالاتِ زندگی' ان کی صفات اور تصنیفات کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ اس کتاب کو ''اردو مراٹھی پرکاشن''، پونہ' نے ۱۹۸۸ء اور ''مجلس نشریاتِ اسلام''، کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔

(۵۱) خطباتِ مفکرِ اسلام: یہ کتاب مولانا علی میاں کی تمام دعوتی اور علمی تقاریر و خطبات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو مولانا محمد کاظم ندوی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

(۵۲) خواتین اور دین کی خدمت: اس تالیف میں مولانا نے خواتین کو یہ بتایا ہے کہ وہ دعوت دین کا کام کس طرح کر سکتی ہیں۔

(۵۳) خلفائے اربعہ: خلفائے راشدین کے تذکرے پر مشتمل کتابچہ ہے۔

(۵۴) دریائے کابل سے دریائے یرموک تک: تاریخی حقائق پر مبنی تالیف ہے۔

(۵۵) دستورِ حیات: اسلامی طرزِ زندگی گزارنے کی ہدایات پر مشتمل تالیف ہے۔

(۵۶) دو متضاد تصویریں: اس تالیف میں آیت اللہ خمینی کے لائے ہوئے ایرانی انقلاب کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔

(۵۷) دو ہفتے ترکی میں: یہ مولانا کا ایک مضمون ہے جو مجلّہ ''وائس آف اسلام'' میں شائع ہوا۔ اس بات کا ثبوت مولانا علی میاں کے ایک خط سے ملتا ہے جو انہوں نے پروفیسر خورشید احمد کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں اس مضمون کو اشاعت کے لیے بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ (۳۷)

(۵۸) دینِ حق اور علمائے ربّانی: مولانا کی اس تحریر کو کتابچے کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

(۵۹) دین و مذہب: ۲۸ برس کی عمر میں' مولانا نے یہ مبسوط علمی مقالہ ''جامعہ ملیہ'' کی دعوت پر ۱۹۴۲ء مطابق ۱۳۶۱ھ میں پڑھا' جو بعد میں ''دین و مذہب'' کے نام سے شائع ہوا۔ (۳۸)

(۶۰) ذکرِ خیر: مولانا علی میاں نے اس تحریر میں اپنی والدہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ (۳۹)

(۶۱) ذوق وشوق: یہ مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے' جو اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۶۲) ذہنی واعتقادی ارتداد: یہ اصلاً مولانا کی عربی تصنیف ''ردّة ولا ابابكر لها'' ہے جسے ''المجمع الاسلامی العلمی' دار العلوم ندوۃ العلماء' لکھنؤ نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ کتاب ''ذہنی واعتقادی ارتداد' اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا علی میاں نے بیسویں صدی کے آخری دور کو' عالم اسلام کے ''ارتداد' کا دور قرار دیا ہے۔ یہ ارتداد ہمہ گیر اور قوت کے اعتبار سے انتہائی کامیاب ہے۔ مسلمانوں کا کوئی علاقہ اس سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ اس ارتداد کی ایک شکل عالم اسلام کے خلاف یورپ کی ثقافتی یلغار ہے اور دوسری مادہ پرستانہ فلسفے پر مبنی سماجی' معاشی اور سیاسی نظامِ زندگی کا پرچار اور فروغ ہے جس کی بنیاد وحی' نبوت اور زندگی بعد موت (اور جواب دہی) کا انکار ہے۔ اس ''ارتدادی طوفان'' نے اخلاقی اقدار کو یکسر بدل دیا ہے اور نتیجتاً' حیوانی خواہشات کی تسکین ہی افراد اور قوموں کا منتہائے نظر قرار پا گیا ہے (۴۰)۔ اس کتاب کے اہم حصوں کا اردو ترجمہ ''ذہنی واعتقادی ارتداد' کے نام سے دعوہ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد نے بھی ۲۰۰۱ء میں تیسری مرتبہ شائع کیا ہے۔ (۴۱)

(۶۳) ساقی نامہ: مولانا کے ایک عربی مضمون کا اردو ترجمہ ہے' جو اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ (۴۲)

(۶۴) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ: مولانا علی میاں نے عصرِ حاضر کے بزرگ مشائخ کی سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۶۵) سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ: یہ کتاب بھی متذکرہ بالا سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۶۶) سیرت رسول اکرم ﷺ: یہ مولانا علی میاں کی زبانِ مبارک سے سیرت النبی ﷺ پر ''السیرة النبویه'' کے نام سے قلمبند ہونے والی عربی کتاب ہے۔ زندگی کے آخری ایام میں ضعف بصارت اور ایک آنکھ کے زیاں کے باعث' مآخذ اور حوالوں کے لیے اپنے معاونین اور کاتب کی مدد سے یہ کتاب املا کروائی گئی۔ اس کتاب میں چھٹی صدی میں موجود روم' فارس' ہندوستان' عرب اور یورپ میں بسنے والی اقوام کی ذہنی حالت کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے اور خاص طور پر جزیرۃ العرب کا تاریخی' جغرافیائی' سماجی' معاشی اور دینی منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔ ایک مستند کتاب ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا ہے۔

(۶۷) سیرتِ محمدی ﷺ دعاؤں کے آئینے میں:

(۶۸) سیرت سید احمد شہیدؒ: مولانا علی میاں کی پہلی اہم اور بڑی کتاب ہے جو ۱۹۳۹ء (کے آغاز) مطابق ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی [۴۳]۔ اس وقت مولانا کی عمر پچیس برس تھی [۴۴]۔ مولانا نے بعد میں اس کتاب کی دوسری جلد بھی لکھی [۴۵] جو ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ میں سامنے آئی [۴۶]۔ اس کتاب کی اوّلین اشاعت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اور چوتھی اشاعت ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی نے ۱۹۷۵ء میں کی۔

(۶۹) شاعرِ اسلام اقبال: حیات و خدمات: مولانا کا عربی مقالہ ہے جو ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ میں سعودی ریڈیو سے نشر ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ [۴۷]

(۷۰) شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف: مولاناؒ نے یہ مقالہ مولانا محمد منظور نعمانی کے مجلّے ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ [۴۸]

(۷۱) شرقِ اوسط کی ڈائری: یہ کتاب اصلاً اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ میں' مشرق وسطیٰ کے ممالک اور تیسرے حج کے طویل سفر کے بعد ہندوستان واپسی پر مولانا کی لکھی ہوئی ڈائری ہے' جو 'مذکرات سائح فی الشرق العربی'' کے نام سے مصر سے چھپی۔ اس کا اردو ترجمہ ''شرقِ اوسط کی ڈائری'' کے نام سے چند بار چھپا ہے۔ [۴۹]

(۷۲) شکوہ اور مناجات: عربی مضمون کا ترجمہ ہے' اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۷۳) صحبتے با اہل دل: حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کے ملفوظات پر مشتمل تالیف ہے۔

(۷۴) طارق کی دُعا: عربی مضمون کا ترجمہ ہے' جو کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۷۵) طوفان سے ساحل تک: علامہ محمد اسدؒ کی کتاب 'Road to Makkah'' کے عربی قالب ''الطریق الی مکة'' کا ترجمہ اور تلخیص ہے' جسے مولانا علی میاں نے مصنف کی اجازت سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب ہر جویائے حق اور صاحبِ ذوق کے پڑھنے کے لائق ہے۔ [۵۰]

(۷۶) عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے: مولانا علی میاں نے ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ میں علامہ اقبالؒ سے دوسری مرتبہ ملاقات کی اور کئی گھنٹے علامہ کے التفات وارشادات سے فیض یاب ہوئے۔ اس ملاقات کے تاثرات کو مولانا نے قلمبند کیا تھا' جو 'عارفِ ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے'' کے عنوان سے پنجاب کے ایک رسالے میں شائع ہوا۔ [۵۱]

(۷۷) عالم عربی کا المیہ: اس تالیف میں عالم عرب کی خامیوں کا بے لاگ جائزہ لیا ہے۔

(۷۸) عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' ہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔ مولانا علی میاںؒ کو سید مودودیؒ کے تصورِ دین اور دعوت دین سے بنیادی اختلاف تھا۔ اس کتاب میں مولاناؒ نے انتہائی شائستہ اور علمی انداز میں اس اختلاف کی وضاحت کی ہے۔ مولانا کے نزدیک سیاست میں دخول اور حکومت کا قیام' کارِ دین نہیں ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے جماعت کے

دینی مزاج اور عبادات پر بھی بحث کی ہے۔

(۷۹) علم دائم کے رابطہ کی ضرورت وافادیت: یہ اس تقریر کا عنوان ہے جو مولانا علی میاں نے ''خدا بخش سالانہ خطبہ'' کے طور پر' خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری' پٹنہ میں ۱۶/۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء مطابق شوال ۱۳۹۷ھ کو پیش کی تھی۔ (۵۲)

(۸۰) قادیانیت: مطالعہ و جائزہ: مولانا علی میاںؒ نے یہ کتاب ''القادياني والقاديانية'' کے عنوان سے عربی زبان میں لکھی۔ اس تالیف کا مقصد عرب ممالک کے باشندوں کو قادیانی تحریک کے مضمرات ونتائج سے آگاہ کرنا تھا' کیونکہ اس وقت یہ گروہ ''قادیانیت'' کو پھیلانے میں سرگرم تھا اور قادیانیت ہی کو اصل اسلام کے طور پر پیش کر رہا تھا۔ بعد میں اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنا کر ''قادیانیت: مطالعہ و جائزہ'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں قادیانیت کے مؤسسین' ان کے عقائد اور دعوت کے تدریجی ارتقاء کا محققانہ جائزہ لیا ہے اور قادیانیت کے بطلان کے ثبوت پیش کیے ہیں۔

(۸۱) قرآنی اِفادات: یہ مضامین قرآن پر مشتمل مولانا کی کتاب ہے۔

(۸۲) کاروانِ ایمان وعزیمت

(۸۳) کاروانِ زندگی: سات جلدوں پر مشتمل یہ کتاب مولانا علی میاں کی خودنوشت ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے اپنے حالاتِ زندگی' تعلیمی مشاغل اور اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر جذبات کا اظہار بھی ملتا ہے۔

(۸۴) کاروانِ مدینہ

(۸۵) کلامِ اقبال میں تاریخی حقائق واشارات: یہ اردو مقالہ ہے جو' اقبال کے کلام میں تاریخی حقائق و اشارات'' کے نام سے ''مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن امریکہ'' کی ایک مجلس علمی میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا۔ اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' میں'' کلام اقبال میں تاریخی حقائق واشارات'' کے نام سے شامل ہے۔ (۵۳)

(۸۶) مذہب وتمدن: یہ مولانا علی میاں کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے' جسے انہوں نے دینی مدارس کے طلبہ کے مطالعہ کے لیے مفید قرار دیا ہے۔ مولانا نے اس کتاب کی افادیت کا ذکر اپنے ایک خط بنام' مولانا محمد فضل'' میں کیا ہے۔ (۵۴)

(۸۷) مردِ مؤمن کا مقام: مولانا کے ایک عربی مضمون کا اردو ترجمہ ہے' جو مولانا کی کتاب ''نقوش اقبال' کے صفحہ ۱۳۴ پر موجود ہے۔

(۸۸) مسئلہ فلسطین: مسئلہ فلسطین پر مولانا کا مدلل مضمون ہے جو کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔

(۸۹) مسافر غزنی وافغانستان: مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے' جو کتاب ''نقوشِ اقبال'' کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔

(۹۰) مسجد قرطبہ: مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے' جو اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کے صفحہ

۱۶۸ پر موجود ہے۔

(۹۱) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: اس عنوان کے تحت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نہایت وقیع تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مولانا علی میاں کی نظر میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی تعلیمی تحریکیں، مولانا محمد الیاس کی اصلاحی تحریک، علامہ اقبال کی فکری تحریک، مصر اور برصغیر میں الاخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کی تحریک دعوت و دین درحقیقت ایک ہی مقصد کے حصول کے متنوع راستے تھے۔ ان تحریکوں کے تاریخی کردار کا جائزہ لیتے ہوئے، مولانا علی میاں ان تحریکات کے اختلافِ فکر و عمل کو تنوع پر محمول کرتے ہیں اور ان کو باہم متضاد اور متعارض نہیں گردانتے۔ اس کتاب کو مجلس نشریات اسلام، کراچی نے اوّلاً ۱۹۸۱ء میں (۵۵) اور جدید اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

(۹۲) مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی

(۹۳) معرکۂ ایمان و مادیت: یہ سورۃ الکہف کی تفسیر ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس تحریر میں ایمان اور مادیت پرستی کے فرق اور ان کے نتائج کو بیان فرمایا ہے۔

(۹۴) مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ

(۹۵) مکاتیب یورپ

(۹۶) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کتاب میں انتہائی خوبصورت پیرائے میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے حالاتِ نبوت کو قلمبند کیا ہے۔

(۹۷) نبی خاتم و دین کامل: ختم نبوت پر مولانا علی میاں کی تالیف ہے۔

(۹۸) نبی رحمت ﷺ: سیرت پر مولانا کی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے جدید ترمیم کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

(۹۹) نشانِ منزل: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

(۱۰۰) نقوشِ اقبال: اس کتاب میں مولانا علی میاں نے علامہ اقبال کی اہم نظموں اور متفرق اشعار سے اسلام کے بنیادی فلسفے، تعلیمات، روح اور ملت اسلامیہ کی تجدید و اصلاح کے لیے اقبال کے افکار کو دلنشیں نثری مضامین کے پیرائے میں ڈھالا ہے۔ اس کتاب میں فکر اقبال کے تمام اہم مباحث آ گئے ہیں جو اقبال کے تمام قارئین کے لیے یکساں مفید ہیں۔ ''نقوشِ اقبال'' دراصل مولانا علی میاں کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں نے کیا تھا۔ ''روائع اقبال'' دیارِ عرب میں اقبالیات کو متعارف کرانے والی وہ کتاب ہے جس نے عربوں کو کلامِ اقبال کے صحیح ذائقے سے روشناس کرایا ہے۔ یہ کتاب مجلس نشریات اسلام، کراچی نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی تھی اور ۲۰۰۴ء میں جدید اضافوں کے ساتھ شائع کیا۔

(۱۰۱) نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں: یہ امریکہ کے شہر ''شکاگو'' میں اسلامی تنظیموں اور اداروں کے کارکنان سے ۱۹۷۷ء میں کیا جانے والا مولانا کا ایک نصیحت آموز خطاب ہے۔ اسے کتابی شکل

میں مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا[۵۶]۔ پھر ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' کے نام سے مجلس نشریات اسلام' کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا[۵۷]۔ کتاب کا مقدمہ مولانا محمد الحسنی نے قلمبند کیا ہے۔

(۱۰۲) ہندوستانی مسلمان: یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے جس میں انہوں نے برصغیر پاک وہند کی تہذیب وتمدن کی تعمیر میں مسلمانوں کے حصے کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

(۱۰۳) یورپ' امریکہ اور اسرائیل: یہ مولانا علی میاں کی ایسی کتاب ہے جس میں حقیقت حال کا برملا اظہار ہے۔ مسلمانوں کے لیے چشم کشا انکشافات ہیں اور اُمت مسلمہ کو مستقبل کے حوالے سے تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

پاکستان میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریباً تمام تصنیفات وتالیفات مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کی ہیں۔

عربی تالیفات وتصنیفات

(۱) اذا هبّت ريح الايمان: مولانا علی میاں کی عربی تالیف ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے احیاء کے پیش نظر لکھی گئی۔ اس کا تعارف ''جب ایمان کی بہار آئی'' کے عنوان سے گزر چکا ہے۔[۵۸]

(۲) أيها العرب: مولانا علی میاں نے عالم عربی کو بیدار کرنے کے لیے زبان وقلم دونوں سے کام لیا۔ آپ نے دعوتی نقطہ نظر سے مضامین تحریر فرمائے۔ ان مضامین نے مولانا کو بلادِ عرب کے عام پڑھے لکھے طبقے میں بے حد مانوس اور محبوب بنا دیا۔ یہ عربی مضمون ان ہی میں سے ایک ہے۔

(۳) اسمعوها منى صريحة: یہ بھی مولانا کے عربی مضامین میں سے ایک ہے۔

(۴) العرب والاسلام: مولانا کے عربی مضامین میں سے ایک ہے۔

(۵) اسمعى يا زهرة الصحراء: مولانا کے عربی مضامین میں سے ایک ہے۔

(۶) اسمعى يا سوريا: مولانا علی میاں نے اپنے پہلے اور دوسرے سفر حجاز ومصر وغیرہ سے قبل دعوتی نقطۂ نظر سے چند عربی مضامین تحریر فرمائے تھے۔ یہ عربی مضمون ان ہی میں سے ایک ہے۔ ان مضامین نے مولانا کو بلادِ عرب کے عام پڑھے لکھے طبقے میں بے حد مانوس اور محبوب بنا دیا۔[۵۸]

(۷) اسمعى يا مصر: یہ مضمون بھی متذکرہ بالا عربی مضامین میں سے ایک ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں اس مضمون کے بارے میں خود فرماتے ہیں: ''اسمعى يا مصر'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جو تحیہ' عتاب' نقد اور توجیہ سب کچھ ہے۔''[۵۹]

(۸) الاركان الاربعه: مولانا علی میاں کے قلم سے' اسلام کے بنیادی ارکان پر لکھی جانے والی مبسوط اور منفرد عربی کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''ارکانِ اربعہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

(۹) الدعوة الاسلامية وتطوراتها فى الهند: مولانا نے یہ عربی مضمون ''جمعية الشبّان المسلمون'' کے استقبالیے میں پڑھا تھا۔ اس مضمون میں ہندوستان کی تجدید واحیائے دین کی مختلف کوششوں کا

مختصر ذکر آ گیا ہے۔ اس رسالے کا ذکر مولانا نے مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ (۶۰)

(۱۰) السيرة النبوية : اس کتاب کا تعارف اس کے اردو ترجمہ ''سیرت رسول اکرم ﷺ'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

(۱۱) الصراع بين الاسلام و المادية : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کتاب میں ایمان اور مادیت کے فلسفے کا فرق بیان کیا ہے۔ ماضی کی مثالیں دیتے ہوئے دورِ حاضر میں ایمان اور مادیت پرستی کی کشمکش پر گفتگو کی ہے۔ **المجمع الاسلامي العلمي**' دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے شائع کی۔

(۱۲) العرب يكتشفون انفسهم : مولانا کے عربی مضامین میں سے ایک ہے۔

(۱۳) القاديانية ثورة على النبوة المحمدية : یہ مولانا علی میاں کی مستقل تصنیف نہیں' بلکہ عربی میں لکھا ہوا ایک خط ہے جو مولانا نے قادیانیت کے بارے میں صحیح حالات سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے مصری اور شامی احباب کے نام لکھا تھا' پھر اس کو ایک رسالے کی شکل میں شائع کیا گیا۔ نصر اللہ خان عزیز کے نام لکھے ہوئے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عربی خط غالباً ۱۹۶۰ء سے پہلے لکھا گیا تھا۔ (۶۱)

(۱۴) القادياني و القاديانية: اس کتاب کا تعارف اس کے اردو ترجمہ ''قادیانیت: مطالعہ و جائزہ'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اس تالیف کو **المجمع الاسلامي العلمي**' دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے عربی اور مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے اردو میں شائع کیا۔

(۱۵) القراء ة الراشدة : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے منتظم کی حیثیت سے عربی زبان کی تدریس کے لیے مفید نصابی کتب مرتب کیں' جو برصغیر پاک و ہند کے مدارس کے علاوہ عالمِ عرب میں بھی مستعمل ہیں۔ یہ کتاب ان میں سے ایک ہے۔

(۱۶) القمر (چاند) : علامہ اقبال کی ایک اردو نظم ہے۔ مولانا علی میاں نے ۱۶ برس کی عمر میں اس کا عربی ترجمہ کیا اور خود علامہ اقبال سے اس کی داد وصول کی (۶۲)۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے عربی اور مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی نے اردو میں شائع کیا۔

(۱۷) المرتضیٰ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھی گئی مفصل اور معروف کتاب ہے جو مولانا علی میاں نے عربی زبان میں تحریر کی۔ اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا ہے۔ دار القلم دِمشق نے ۱۹۸۹ء میں شائع کی۔

(۱۸) المُسلمون : دِمشق (شام) سے شائع ہونے والا ایک قدیم و مستند عربی مجلّہ ہے۔ پچاس کی دہائی میں مولانا علی میاں کے عربی مضامین اس وقت کے مشہور و معروف عرب اہل قلم و دانش کے پہلو بہ پہلو اس مجلّے میں شائع ہوتے رہے۔ شیخ علی طنطاوی نے مولانا علی میاں کو اسی مجلّے میں علامہ اقبال کے کلام کا عربی ترجمہ کرنے کی ترغیب دلائی تھی تاکہ عرب دنیا بھی اقبال سے متعارف ہو سکے۔ (۶۳)

(۱۹) النبوة و الانبياء فی ضوء القرآن : مولانا کی یہ عربی کتاب عقل پر وحی کی برتری ثابت کرنے کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔

(۲۰) **النبویات فی شعر الدکتور محمد اقبال**: سعودی ریڈیو سے نشر ہونے والی مولانا کی ایک تقریر ہے، جو بعد میں عربی مجلّے میں شائع ہوئی۔ اس کا ذکر مولانا علی میاں نے مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ (۶۴)

(۲۱) **الی ممثلی البلاد الاسلامیة** : مولانا کا ایک دعوتی مضمون ہے جو تقسیم ہندوستان سے قبل دہلی میں ہونے والی ایک ایشیائی کانفرنس کے عرب مندوبین سے ایک دعوتی خطاب کی صورت میں پڑھا گیا۔ اس رسالے میں عربوں کو چودہ سو سال قبل والا پیغامِ توحید یاد دلایا گیا ہے (۶۵)۔ مجلس نشریات اسلام کراچی نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔

(۲۲) **بین الجبایة و الهدایة**: یہ ان عربی مضامین میں سے ایک ہے جو مولانا نے اپنے پہلے اور دوسرے سفرِ حجاز و مصر وغیرہ سے قبل دعوتی نقطۂ نظر سے تحریر فرمائے تھے۔ (۶۶)

(۲۳) **بین الصورة و الحقیقة** : مولانا نے اس تحریر میں اسلام کے تصورِ جسم و روح یا صورت و حقیقت کو بیان کیا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان تعلق کو واضح کرتے ہوئے روح کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب **المجمع الاسلامی العلمی**، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۱۹۸۰ء میں شائع کی۔

(۲۴) **تأملات فی سورة الکهف** : یہ کتاب قرآنی مطالعے کا نچوڑ پیش کرتی ہے اور مضامین قرآن پر مشتمل ہے۔ مولانا کی اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے اردو زبان میں ''قرآنی افادات'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۲۵) **ترجمة الامام السید احمد بن عرفان الشهید** : سترہ برس کی عمر میں سید احمد شہیدؒ کی سیرت پر لکھی گئی مولانا علی میاں کی پہلی عربی تحریر ہے۔ اس کتاب میں جہاد فی سبیل اللہ کے احیاء کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسے علامہ رشید رضا مصری نے اپنے مجلّے ''المنار'' میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد کتابی صورت میں مصر سے اور پھر اضافوں کے ساتھ ہندوستان سے اردو میں شائع ہوئی۔ اسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔ (۶۷)

(۲۶) **تقویة الایمان** :تحریک اصلاح و جہاد کے حوالے سے یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا آخری علمی کام ہے۔ مولانا نے ''تقویۃ الایمان'' کا عربی ترجمہ اور اس پر حواشی نگاری کی ہے جس میں ان رسوم و عادات اور مقامات کی وضاحت کی گئی ہے جن کی تفہیم عام، اور بالخصوص عرب قارئین کے لیے مشکل ہے۔ اس کتاب پر مولانا علی میاں کے مقدمے اور حواشی کو اردو زبان میں بھی منتقل کیا جا چکا ہے، جسے مختلف ناشرین نے شائع کیا ہے۔

(۲۷) **حلول محمد ﷺ للمشاکل الفردیة و الاجتماعیة** : ہفتۂ سیرت کے سلسلے میں سعودی ریڈیو سے نشر ہونے والی مولانا کی ایک تقریر ہے جو بعد میں عربی مجلّے میں شائع ہوئی۔ اس کا ذکر مولانا علی میاں نے مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ (۶۸)

(۲۸) **ردّة و لا ابابکر لها**: اس کتاب کی تالیف کی بنیاد مولانا کے وہ دو عربی مضامین ہیں جو شام کے مجلّے ''المُسلمون'' کے ۱۹۵۸ اور ۱۹۵۹ کے شماروں میں شائع ہوئے تھے۔ ان کا موضوع ''ارتداد'' تھا (۶۹)۔ اس

کتاب کا تعارف اس کے اردو ترجمہ ''ذہنی واعتقادی ارتداد'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

(۲۹) رجال الفکر والدّعوة فی الاسلام: یہ کتاب اسلام کے فکری قائدین کے تذکروں پر مشتمل مولانا کے وہ لیکچرز ہیں جو انہوں نے ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں دِمشق یونیورسٹی کی دعوت پر وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ارشاد فرمائے تھے۔ اس کتاب کو دِمشق یونیورسٹی نے ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۷۹ھ میں شائع کیا تھا۔[۷۰]

(۳۰) روائع اقبال: یہ کتاب مولانا علی میاں کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو علامہ اقبال پر عربی زبان میں لکھے گئے، مصر وشام کی علمی مجالس میں پڑھے گئے، عربی مجلّات میں شائع ہوئے اور ریڈیو سے نشر بھی ہوئے۔ ''روائع اقبال'' دیارِ عرب میں اقبالیات کو متعارف کرانے والی کتاب ہے۔ اس کتاب نے عالمِ عرب کو کلامِ اقبال کے صحیح ذائقے سے روشناس کرایا۔ مولانا نے علامہ اقبال کی اہم نظموں اور متفرق اشعار سے اسلام کے بنیادی فلسفے، تعلیمات، روح اور ملت اسلامیہ کی تجدید واصلاح کے لیے اقبال کے افکار کو دلنشیں نثری مضامین کے پیرائے میں ڈھالا۔ دار الفکر دِمشق نے ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۷۹ھ میں ان مضامین کو شائع کیا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''نقوشِ اقبال''، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

(۳۱) روح العالم العربی: مولانا علی میاں نے عالمِ عربی کو بیدار کرنے کے لیے دعوتی نقطہ نظر سے جو مضامین تحریر فرمائے، یہ مضمون ان میں سے ایک ہے۔

(۳۲) فی ظلال البعثة المُحمدیة: یہ عربی مقالہ ہے جس میں مولانا علی میاں نے تجدید واحیائے دین کے لیے کام کرنے والے عام وخاص افراد کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۳۳) قصص النبیّین للاطفال: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے منتظم کی حیثیت سے عربی زبان کی تدریس کے لیے مفید نصابی کتابیں مرتب کیں، جو برصغیر پاک و ہند کے مدارس کے علاوہ عالمِ عرب میں بھی مستعمل ہیں۔ یہ کتاب ان میں سے ایک ہے۔ پانچ حصوں میں بچوں کے لیے لکھی گئی یہ کتاب انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کہانیوں پر مشتمل ہے۔ کتاب میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے واقعات نہایت سادہ مگر دلنشیں پیرائے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۳۴) کیف دخل العرب التاریخ: مولانا نے عالمِ عربی کو بیدار کرنے کے لیے دعوتی نقطۂ نظر سے جو مضامین تحریر فرمائے۔ یہ عربی مضمون ان ہی میں سے ایک ہے۔

(۳۵) کیف ینظر المسلمون الی الحجاز وجزیرة العرب: یہ عربی مضمون بھی مولانا کے دعوتی مضامین میں سے ایک ہے۔

(۳۶) ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمین: ۱۹۴۷ء میں لکھی گئی اس عربی کتاب نے سارے عالمِ عرب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ یہ بیسویں صدی کی سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کا تعارف اس کے اردو ترجمہ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

(۳۷)**محمد اقبال فی مدینة الرسول**: یہ مولانا کا ایک شاہکار عربی مضمون ہے جو اسی عنوان سے ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں دِمشق ریڈیو سے نشر ہوا تھا۔ اس کتاب کا تعارف اس کے اردو ترجمہ ''اقبال درِ دولت پر'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ (۷۱)

(۳۸) **محمدؐ رسول اللہ** ﷺ: یہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ پر مولانا کا ایک شاہکار عربی مضمون ہے۔

(۳۹) **مختارات**: عربی ادبِ نثر کی ایک بہترین کتاب ہے۔ مولانا علی میاں کی یہ تالیف' علماء اور طلبہ دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے اور ادب عربی کی ایک اہم تعلیمی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس کتاب میں عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر دورِ جدید تک کے عربی ادب کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ ''مختارات'' میں جمع کیے گئے ادبی شہ پاروں کے ذریعے مولانا عام مسلمانوں اور بالخصوص علماء میں دعوتِ دین اور خدمت اسلام کے لیے حسن نیت' سوز و درد' سرفروشی اور حسن سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

(۴۰)**مذکرات سائح فی الشرق العربی**: اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ میں مشرق وسطیٰ کے ممالک اور تیسرے حج کے طویل سفر کے بعد ہندوستان واپسی پر مولانا کی لکھی ہوئی ڈائری ہے جو مصر سے چھپی تھی۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ ''شرقِ اوسط کی ڈائری'' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔

(۴۱) **مضامین**: یہ مولانا کے دور طالب علمی کے عربی مضامین ہیں جو مصر کے صاحب طرز ادیب ''سید مصطفیٰ لطفی المیفلوطی'' سے متاثر ہوکر ان کی کتاب ''النظرات'' پر لکھے تھے (۷۲)۔ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔

(۴۲) **مضامین قرآن**: یہ مولانا علی میاں کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مولانا کی نظر میں علم الکلام کی تعلیم کے لیے مستعمل کتابیں مثلاً ''شرح نسفی'' وغیرہ نہ صرف ناکافی' بلکہ مضر تھیں' اس لیے وہ کلام کی کتب کی از سرنو تدوین و ترتیب کو ضروری سمجھتے تھے۔ چونکہ کوئی متبادل کتاب ان کی نظر میں موجود نہ تھی' لہٰذا انہوں نے اس کتاب ''مضامین قرآن'' سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ (۷۳)

(۴۳) **معقل الانسانیة**: مولانا کا ایک دعوتی رسالہ ہے جس میں خطاب عربوں ہی سے ہے۔ (۷۴)

(۴۴)**مقالات**: نظامِ تعلیم پر مولانا علی میاں کے مقالات ہیں جو عربی مجلّے ''البلاد السعودیہ'' میں سلسلہ وار شائع ہوئے۔ ان مقالات میں انہوں نے ایک اسلامی ملک میں تعلیم کا تصور پیش کرنے کی کوشش کی اور ''جماعت اسلامی'' کی کوششوں کا صراحتاً ذکر کیا۔ (۷۵)

(۴۵) **من الجاهلیة اِلی الاسلام**: اس رسالے کا ذکر مولانا علی میاں نے مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ (۷۶)

(۴۶) **من الجزیرة الی العالم**: سعودی ریڈیو سے نشر ہونے والی مولانا کی ایک تقریر' جو بعد میں عربی مجلّے میں شائع ہوئی۔ (۷۷)

(۴۷)**من العالم الی جزیرة العرب**: سعودی ریڈیو سے نشر ہونے والی مولانا کی ایک تقریر' جو بعد میں عربی مجلّے میں شائع ہوئی۔ (۷۸)

(۴۸) **من غار حرا**: مولانا علی میاں نے اپنے پہلے اور دوسرے سفر حجاز و مصر سے قبل دعوتی نقطۂ نظر سے جو عربی مضامین تحریر فرمائے تھے، یہ عربی مضمون ان ہی میں سے ایک ہے۔ (۷۹)

(۴۹) **واُمعتصماہ** : یہ عربی کتاب ہے جس میں مولانا نے تجدید و احیائے دین کے لیے امت مسلمہ کی وحدت کو ضروری قرار دیا ہے۔ کتاب میں مسلمانوں پر تنقید کی ہے اور ان کی زبوں حالی اور وحدت کے فقدان کا سبب، نو آبادیاتی اثرات، ذاتی و گروہی نفسانی خواہشات اور جاہلی عصبیتوں کے تحت ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا گردانا ہے۔ یہ کتاب **المجمع الاسلامی العلمی**، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے ۱۹۸۰ء میں شائع کی۔

انگریزی کتب

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اُمت مسلمہ کے لیے عربی اور اردو زبان میں اسلامی تصنیفات اور تحقیقات کا عریض و عمیق اور متنوع ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ ذیل میں مولانا کی چند کتب کی فہرست پیش کی جا رہی ہے جو انگریزی زبان میں منتقل ہو چکی ہیں:

1- *A Guidebook for Muslims*
2- *Appreciation and Interpretation of Religion in the Modern Age*
3- *Faith versus Materialism*
4- *From the depth of heart in America*
5- *Glory of Iqbal*
6- *Islam and Civilization*
7- *Islam and the World*
8- *Islamic Concept of Prophethood*
9- *Life and Mission of Muhammad Ilyas*
10- *Life of Caliph Ali* ؓ
11- *Muhammad Rasoolullah* ﷺ
12- *Muslims in India*
13- *Qadianism (A critical study)*
14- *Saviours of Islamic Spirit, (Compelete in 4 volumes)*
15- *Stories of the Prophets* علیہم السلام
16- *The Four Pillars in Islam*
17- *The Musalman*
18- *The Pathway to Madina*

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی چند اہم ملی خدمات

☆ اسلام کی تجدید واحیائے دین کے لیے پوری زندگی تج دی۔
☆ دنیا کے گوشے گوشے میں دعوت وارشاد کا کام پھیلایا اور اسے منظم کیا۔
☆ ۱۹۵۴ء میں ''تحریک پیغام انسانیت'' کی تنظیم کے تحت تقاریر اور لٹریچر کے ذریعے ہندو مسلم بدگمانیوں اور عداوت کو دور کرنے کی کوشش کی۔
☆ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے عائلی قوانین مرتب کر کے انہیں نافذ کرانے میں کامیابی حاصل کی۔
☆ ''عالمی رابطہ ادب اسلامی'' کی تنظیم قائم کر کے خالص اسلامی ادبیات کے فروغ اور اسلامی دنیا کے مسلم ادباء کے وسیع حلقہ کو مربوط کر دیا۔
☆ جامعہ آکسفورڈ میں اسلامی تہذیب کے مطالعے کا مرکز قائم کر کے اسے فعال اور نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کی۔
☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو صحیح معنوں میں اسلامی یونیورسٹی بنا دیا۔
☆ ۱۸۷ کتب ورسائل کے مؤلف قرار پائے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اعزازات

☆ بانی رکن، مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ
☆ بانی رکن، مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
☆ رکن، مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت، لبنان
☆ وزیٹنگ پروفیسر، جامعہ دِمشق اور جامعہ مدینہ منورہ
☆ صدر، عالمی رابطہ ادب اسلامی
☆ رکن، عربی اکیڈمی دِمشق
☆ صدر، آکسفورڈ سنٹر آف اسلامک سٹڈیز
☆ رکن، مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جنیوا
☆ ناظم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا
☆ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، انڈیا
☆ صدر، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، انڈیا
☆ صدر، مجلس انتظامی ومجلس عاملہ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا
☆ صدر، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
☆ رکن شوریٰ، مسلم مجلس مشاورت ہند
☆ اعزاز، شاہ فیصل ایوارڈ برائے سال ۱۹۸۰ء مطابق ۱۴۰۰ھ

☆ اعزاز، اہم ترین اسلامی شخصیت برائے سال ۱۹۹۹ء مطابق ۱۴۱۹ھ (متحدہ عرب امارات)
☆ تیس سے زائد بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت
☆ ۱۸۷ کتب و رسائل کے مؤلف
☆ کتب کا ترجمہ متعدد زبانوں میں ہوا۔

حرفِ اختتام

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حیات و افکار اور ان کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو قلمبند کرنا ایک مختصر مقالے میں ممکن ہی نہیں ہے۔ مولانا علی میاں نے کم و بیش ۱۸۷ چھوٹی بڑی کتب تحریر فرمائی ہیں۔ دنیا کے ۵۷ اسلامی ممالک میں شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہو جہاں اس یکتائے روزگار شخصیت کے تحریری یا تقریری اثرات بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ پہنچے ہوں۔ راقم السطور نے اپنی اس حقیر کاوش میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حالاتِ زندگی اور تعلیم و تربیت، ان کی تدریسی اور علمی خدمات کو انتہائی مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقالے میں مولانا علی میاںؒ کی ۱۰۳ اردو، ۴۹ عربی اور ۱۹ انگریزی تالیفات و تصنیفات اور خطبات و تقاریر کا تعارف پیش کیا گیا ہے، جو یا تو عربی سے اردو زبان میں منتقل ہو چکی ہیں یا پھر اردو زبان میں ہی لکھی ہوئی یا کی گئی تقاریر ہیں، اور اب کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ انگریزی میں ترجمہ ہونے والی کتب کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ ان تمام کتب کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تمام علمی اور عملی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور ان کو جنت کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اُمت مسلمہ کو ان جیسی عظیم شخصیات سے نوازتا رہے۔ آمین!

حواشی

(۱) سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات و افکار کے چند پہلو''، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۲ء۔ دیکھئے مقالہ: ''سید رضوان علی ندوی، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ﷫۔ سوانحی خاکہ''۔ ''میاں'' کا لفظ ہندوستان میں سیدوں کے نام کے بعد لگایا جاتا ہے۔ ص ۱۷۔

(۲) مولانا علی میاںؒ کی ان صفات کی گواہی اہل علم و دانش نے دی ہے۔ بطور مثال دیکھئے: سید سلیمان ندوی ص ۷، عبدالماجد دریابادی اور محمد منظور نعمانی ص ۸، مولانا مسعود عالم ندوی ص ۱۴، جلیل احسن ندوی ص ۱۶۴، نصر اللہ خان عزیز ص ۱۵۵، خورشید احمد، صفحات ۱۳۔۱۸، ظفر اسحاق انصاری ص ۱۰، سفیر اختر ص ۱۱، سید رضوان علی ندوی ص ۱۷، سید ابوبکر غزنوی ص ۱۷۹، خالد علوی ص ۱۶۸، محمد طفیل ہاشمی صفحات ۱۸۷۔۱۹۱، محمد الغزالی ص ۲۴۳، خورشید رضوی ص ۲۱۳، فضل الرحیم ص ۲۳۷۔ کتاب: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات و افکار کے چند پہلو''، ترتیب و تدوین: سفیر اختر، حوالۂ بالا۔

(۳) اس مقالے میں ہجری اور عیسوی تاریخوں کی مطابقت کو ظاہر کرنے کے لیے درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:
(۱) ''جوہر تقویم''، ضیاء الدین لاہوری، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۴ء۔
(۲) ''تقویم تاریخی''، عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

(۴) ڈاکٹر ارشد اسلم "Maulana Saiyid Abul Hasan `Ali Nadvi: His Career & works (1914-1999)" ہمدرد اسلامکس، جلد ۲۷، شمارہ ۱، ص ۴۲۔ پروفیسر خورشید احمد نے مولانا علی میاں کی تاریخ پیدائش ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ مطابق جنوری ۱۹۱۴ء بیان کی ہے۔ دیکھیے: ''ترجمان القرآن''، جلد ۱۲۷، عدد ۲، فروری ۲۰۰۰ء مطابق ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ ص ۶۷۔ اور سید رضوان علی ندوی نے تاریخ پیدائش ۶ محرم ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۱۴ء بیان کی ہے۔ دیکھیے: سید رضوان علی ندوی، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ۔ سوانحی خاکہ'' کتاب: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، ترتیب وتدوین: سفیر اختر، حوالہ مذکورہ، ص ۷۷۔

(۵) خورشید احمد، ''ترجمان القرآن''، جلد ۱۲۷، عدد ۲، فروری ۲۰۰۰ء مطابق ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ، ص ۶۷، اور ایم ایچ فاروقی "Impact International" مجلد ۳۰، شمارہ ۲، فروری ۲۰۰۰، ص ۴۷۔

(۶) سید رضوان علی ندوی، مقالہ ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ﷫۔ سوانحی خاکہ'' کتاب: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، ترتیب وتدوین: سفیر اختر، حوالہ مذکورہ، ۷۱۔۷۸۔ (خانوادہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی، جس کے ایک فرد ''سید احمد شہید'' بانی ''تحریک اصلاح وجہاد'' تھے)۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: خورشید احمد، ''ترجمان القرآن''، حوالہ مذکورہ، ص ۶۷۔

(۷) مولانا حکیم سید عبدالحیٔ لکھنویؒ، ''نزہۃ الخواطر'' جلد اول۔ مزید تفصیل: سید رضوان علی ندوی، حوالہ مذکورہ بالا، ص ۷۳۔

(۸) سید ابوالحسن علی ندوی، ''ذکرِ خیر''، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی ۱۹۷۷ء، صفحات ۲۲۔۲۳ اور ۴۶۔۴۷۔

(۹) خورشید احمد، ''ترجمان القرآن''، حوالۂ مذکورہ، ص ۶۷، نیز: سید رضوان علی ندوی، حوالہ مذکورہ، صفحات ۷۷۔۷۸۔

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً حوالہ بالا۔

(۱۱) سید ابوالحسن علی ندوی، مضمون: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی''، کتاب: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، ترتیب وتدوین: سفیر اختر، حوالۂ مذکورہ، صفحات ۲۱۔۵۸۔ نیز: سید رضوان علی ندوی، صفحات ۷۱۔۹۳۔ نیز: خورشید احمد، ''ترجمان القرآن''، حوالۂ مذکورہ، ص ۶۸۔

(۱۲) سید رضوان علی ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۷۱، ص ۸۰۔۸۱۔

(۱۳) ایضاً، صفحات ۷۸۔۸۳۔

(۱۴) سید ابوالحسن علی ندوی، ''کاروانِ زندگی''، لکھنؤ، اشاعت دوم ۱۹۴۴ء، صفحات ۱۳۹۔۱۴۰، اور صفحات ۲۹۴۔۲۹۵۔ مزید دیکھیے: عبداللہ عباس ندوی ''میر کارواں''، مجلس علمی نئی دہلی ۱۹۹۱ء، ص ۶۱۔ مزید دیکھیے: ڈاکٹر ارشد اسلم "Maulana Saiyid Abul Hasan `Ali Nadvi: His Career & works (1914-1999)" ہمدرد اسلامکس، جلد ۲۷، شمارہ ۱، ۲۰۰۲ء، ص ۴۵۔

(۱۵) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال''، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۸۳ء۔

(۱۶) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے خط بنام: مولانا محمد فضل، ص ۲۶۳، سفیر اختر، حوالۂ مذکورہ۔

(۱۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال''، حوالۂ مذکورہ، ص ۸۵۔

(۱۸) ایضاً، حوالۂ بالا، ص ۷۰۔ (۱۹) ایضاً، حوالہ بالا، ص ۲۴۶۔

(۲۰) ایضاً، حوالۂ بالا، ص ۵۱۔ (۲۱) ایضاً، حوالہ بالا، ص ۱۳۷ اور ص ۹۷۔

(۲۲) سید ابوالحسن علی ندوی، مقالہ: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' بر کتاب: ''سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالۂ مذکورہ، ص ۲۸۔

(۲۳) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال''، حوالۂ مذکورہ، ص ۱۱۶۔

(۲۴) حوالہ بالا، ص ۲۳۷۔

(۲۵) سید ابوالحسن علی ندوی، ''پاجا سراغِ زندگی''، مجلس نشریات اسلام' کراچی' ۱۹۷۸ء' صفحات ۸۴۔۹۰۔
(۲۶) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''پرانے چراغ'' مکتبہ فردوس'' لکھنؤ، ۱۹۷۵ء' صفحات ۲۰۷۔۲۱۸۔
(۲۷) خورشید احمد، ''ترجمان القرآن''، حوالہ مذکورہ، ص ۷۱۔
(۲۸) محمد طفیل ہاشمی' مقالہ: ''مولانا علی میاں کا پیغام۔اُمت مسلمہ کے نام''، بر کتاب: ''سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالہ ص ۱۹۰۔
(۲۹) ڈاکٹر ارشد اسلم، "Maulana Saiyid Abul Hasan `Ali Nadvi: His Career & works" ہمدرد اسلامکس' جلد ۲۷' شمارہ ۱' ۲۰۰۲ء' ص ۴۷' اور سید رضوان علی ندوی، حوالۂ مذکورہ، ص ۸۹۔
(۳۰) سید ابوالحسن علی ندوی، ''تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب''۔مزید دیکھئے: خالد علوی، مقالہ: ''ایک سچا داعی''، کتاب: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، ترتیب وتدوین: سفیر اختر، حوالۂ مذکورہ، ص ۱۸۱۔
(۳۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''تحفہ پاکستان''، مجلس نشریات اسلام' کراچی، ۱۹۷۹ء۔
(۳۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال''، حوالہ مذکورہ' ص ۲۳۲۔
(۳۳) سید ابوالحسن علی ندوی، ''جب ایمان کی بہار آئی'' مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی ت۔ن' ص ۳۔
(۳۴) سید ابوالحسن علی ندوی، ''کاروانِ زندگی''، مجلس نشریات اسلام' کراچی' ت ن' ص ۱۴۱۔
(۳۵) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''حدیث پاکستان''، مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی، ۱۹۷۹ء۔
(۳۶) سید ابوالحسن علی ندوی، ''حضرت مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت''، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ۱۹۷۹ء۔
(۳۷) سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو' حوالۂ بالا۔دیکھئے: مولانا علی میاں کا خط، بنام پروفیسر خورشید احمد، ص ۲۹۹۔۳۰۰۔
(۳۸) سید رضوان علی ندوی، حوالۂ مذکورہ' ص ۸۸۔
(۳۹) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''ذکر خیر''، مجلس نشریات اسلام' کراچی' ۱۹۷۷ء۔
(۴۰) سید ابوالحسن علی ندوی، ''ردہ ولا ابابکر لھا'' المجمع الاسلامی العلمی 'دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ' ص ۱۹۸۰ء۔
(۴۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''ذہنی واعتقادی ارتداد''، دعوۃ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، اشاعت سوم، ۲۰۰۱ء۔
(۴۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال' حوالۂ مذکورہ' ص ۲۱۶۔
(۴۳) سفیر اختر ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالۂ مذکورہ، دیکھئے افتتاحیہ: خورشید احمد' ص ۱۶۔
(۴۴) سید رضوان علی ندوی' حوالۂ مذکورہ، ص ۸۸۔
(۴۵) سید ابوالحسن علی ندوی' مقالہ: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' بر کتاب: سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات و افکار کے چند پہلو' حوالہ مذکورہ' ص ۵۶۔
(۴۶) سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو'، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۷۔
(۴۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال' حوالہ مذکورہ، ص ۴۳، اور حواشی نمبر ۱' ص ۵۰۔
(۴۸) سید ابوالحسن علی ندوی، مقالہ: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' سفیر اختر، ''حوالہ مذکورہ، ص ۴۵۔
(۴۹) سید رضوان علی ندوی، حوالہ مذکورہ' ص ۸۷۔
(۵۰) سید ابوالحسن علی ندوی، مقالہ: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی''، حوالہ مذکورہ' ص ۳۹۔
(۵۱) ایضاً' حوالہ بالا' ص ۲۱۔
(۵۲) سفیر اختر، ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو'، حوالہ مذکورہ، دیکھئے: اضافہ از مرتب بالحوضین، ص ۴۸۔

(۵۳) مولانا سیدابوالحسن علی ندوی، ''نقوشِ اقبال'' حوالہ مذکورہ، ص۲۹۳۔
(۵۴) سفیراختر، حوالہ مذکورہ' دیکھئے: خط بنام مولانا محمد فضل' ص۲۶۳۔
(۵۵) مولانا سیدابوالحسن علی ندوی، ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش''، مجلس نشریاتِ اسلام' کراچی' ۱۹۸۱ء۔
(۵۶) سیدابوالحسن علی ندوی، ''نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں''، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام' لکھنؤ' ۱۹۷۸ء۔
(۵۷) سیدابوالحسن علی ندوی، ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں''، مجلس نشریات اسلام، کراچی' ص۱۹۷۹ء۔
(۵۸) سیدرضوان علی ندوی' حوالہ مذکورہ' ص۸۸۔
(۵۹) سفیراختر، ''مولانا سیدابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالۂ مذکورہ، دیکھئے: خط بنام مولانا مسعود عالم ندوی' ص۲۷۸۔
(۶۰) ایضاً' حوالہ بالا دیکھئے خط بنام مولانا مسعود عالم ندوی' ص۲۷۹۔
(۶۱) سفیراختر، ''مولانا سیدابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالۂ مذکورہ، دیکھئے: خط بنام نصراللہ خان عزیز' صفحات ۱۵۸۔۱۵۹۔
(۶۲) سیدابوالحسن علی ندوی: کاروانِ زندگی' حوالہ مذکورہ' ص ۲۴۱۔ مزید تفصیل: خورشید رضوی، مقالہ: ''مولانا علی میاں بحیثیت ادیب'' سفیراختر' حوالہ مذکورہ' ص۲۱۶۔
(۶۳) سفیراختر، ''مولانا سیدابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، دیکھئے: خورشید رضوی' مقالہ: ''مولانا علی میاں بحیثیت ادیب'' ص۲۱۷۔
(۶۴) ایضاً' حوالہ بالا دیکھئے: خط بنام مولانا مسعود عالم ندوی' ص۲۷۲۔
(۶۵) ایضاً' حوالہ بالا دیکھئے: مقالہ از سیدرضوان' ص۸۸' مزید دیکھئے: خط بنام مولانا مسعود عالم ندوی' ص۲۷۰۔
(۶۶) ایضاً' حوالہ بالا دیکھئے' مقالہ از سیدرضوان' ص۸۸۔
(۶۷) سیدابوالحسن علی ندوی، ''کاروانِ زندگی'' حوالہ مذکورہ' ص۱۱۹۔
(۶۸) سفیراختر، ''مولانا سیدابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالہ بالا' دیکھئے: خط بنام مولانا مسعود عالم ندوی' ص۲۷۲۔
(۶۹) ڈاکٹرارشد اسلم' حوالہ مذکورہ' ص۴۷۔
(۷۰) سیدرضوان علی ندوی' حوالہ مذکورہ' ص۸۸۔
(۷۱) مولانا سیدابوالحسن علی ندوی' ''نقوشِ اقبال'' حوالہ مذکورہ' ص۳۷۔
(۷۲) سفیراختر، ''مولانا سیدابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو''، حوالہ مذکورہ' دیکھئے: مقالہ: ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' ص۳۰۔
(۷۳) ایضاً' حوالہ بالا' دیکھئے: خط بنام مولانا فضل محمد' ص۲۶۵۔
(۷۴) ایضاً' حوالہ بالا' ص۲۷۱۔
(۷۵) ایضاً' حوالہ بالا' ص۲۷۳۔
(۷۶) ایضاً' حوالہ بالا' ص۲۷۰۔
(۷۷) ایضاً' حوالہ بالا' ص۲۷۲۔
(۷۸) ایضاً' حوالہ بالا' ص۲۷۲۔
(۷۹) سیدرضوان علی ندوی' حوالہ مذکورہ' ص۸۸۔

تعمیرِ خودی (۲)

مدثر رشید

(۲) اجتماعی خودی کی تعمیر

خودی کے ضمن میں علامہ نے جو ایک اور غیر معمولی تصور پیش کیا وہ ان کا تصورِ بے خودی تھا۔ علامہ کے نزدیک خودی تنہا اپنی تعمیر و تشکیل کے مراحل طے نہیں کر سکتی' بلکہ اس مقصد کی خاطر اسے دوسری خودیوں کے ساتھ الحاق کرنا پڑتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ انسان کی فطرت ہے' کہ یہ تنہا نہیں رہتا' یہ لازماً کسی جماعت' کسی معاشرے' کسی قوم یا ملت کا فرد ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان کا کمال صرف انفرادی تعمیر و تشکیل میں ہی نہیں بلکہ ایک عالمگیر ملت تشکیل دینے میں بھی ہے جس کی بنیاد 'حریت'، 'مساوات' اور 'اخوت بنی نوع انسان' پر ہو۔ علامہ اس کو یوں واضح کرتے ہیں:

اَفراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر شخص ہے ملّت کے مقدر کا ستارا!

اس حقیقت کو ایک اور انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

اسی طرح 'رموزِ بیخودی' جو اس موضوع پر ان کا جامع ترین مجموعہ ہے' میں بیان کرتے ہیں:

فرد را ربطِ جماعت رحمت است جوہرِ او را کمال از ملّت است

[فرد کے لیے جماعت کا ربط پیدا کرنا رحمت کا باعث ہے' اس کے تمام جوہروں کو ملت ہی کی بدولت کمال حاصل ہوتا ہے۔]

تا توانی با جماعت یار باش رونقِ ہنگامۂ احرار باش!

[تو کوشش کی آخری حد تک جماعت سے وابستہ رہ اور یوں تو آزاد لوگوں کے لیے باعث رونق بن جا۔]

حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشر (ﷺ) ہست شیطان از جماعت دور تر

[رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو اپنی جان کے لیے تعویذ بنالے کہ جماعت سے شیطان دور ہوتا ہے۔]

یہاں اقبال جماعت کے اسلامی تصور کو واضح کرتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں:

((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ))(۱)

''تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے' اور تم تنہا مت رہو' اس لیے کہ اکیلے شخص کا ساتھی شیطان بن جاتا ہے' لیکن اگر دو ساتھ رہیں تو وہ دور ہو جاتا ہے۔''

(۱) سنن الترمذی' ابواب الفتن' باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ۔

اسی طرح تعمیر خودی کے لیے جماعت‘ قوم اور ملت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

در دلش ذوقِ نمو از ملّت است   احتسابِ کارِ او از ملّت است

[اس کے دل میں بڑھنے اور ترقی کرنے کا ذوق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ ملت کی صورت میں منظم ہو جاتا ہے۔ملت ہی اس کی سرگرمیوں کا محاسبہ کرتی ہے۔وہی تمام گرم جوشیوں کو نظم وضبط میں رکھتی ہے۔]

پیکرش از قوم و ہم جانش زقوم   ظاہرش از قوم و پنہانش زقوم

[اس کا وجود بھی قوم ہے اور جان بھی قوم ہے۔اس کا ظاہر و باطن دونوں قوم ہی کے مرہونِ منت ہیں۔]

در زبانِ قوم گویا می شود   بر رہِ اَسلاف پویا می شود

[وہ قوم کی زبان سے بولتا ہے اور بزرگوں کے راستے پر سرگرم تگ ودو رہتا ہے۔]

پختہ تر از گرمیٔ صحبت شود   تا بمعنی فرد ہم ملّت شود

[وہ اپنے جیسے دوسرے افراد کی صحبت میں پہنچتا ہے تو اس کی برکت سے زیادہ پختہ اور پائیدار ہو جاتا ہے‘ یہاں تک کہ وہ حقیقتِ حال کے اعتبار سے خود ملت بن جاتا ہے۔]

علامہ کے نزدیک اس اجتماعی خودی کی تعمیر کے بھی وہی مراحل ہیں جو انفرادی خودی کی تعمیر کے ہیں‘ بلکہ حقیقتاً جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ اُسی کا ایک تسلسل ہے۔چنانچہ علامہ اجتماعی خودی کی تعمیر میں پہلا مرحلہ مقصد کے تعین کو ہی قرار دیتے ہیں۔اصل میں خودیوں کے الحاق کا بھی اصل سبب ان کے مقصد کا ایک ہونا ہوتا ہے۔ مختلف مقاصد کے لیے عمل پیرا خودیاں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں مل سکتیں۔رموزِ بے خودی کے مندرجہ ذیل اشعار مقصد کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں:

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن   زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

[فرد کی زندگی جان اور جسم کے درمیان ربط و تعلق پر موقوف ہے‘ جبکہ قوم کی زندگی اپنے مقصد کی حفاظت پر موقوف ہے۔]

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات   مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

[فرد زندگی کی ندی خشک ہوتے ہی مر جاتا ہے‘ جبکہ قوم اپنا مقصودِ حیات ترک کرنے کی بدولت مر جاتی ہے۔]

جب ایک مقصد اور ایک نصب العین والے اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک وحدت آ جاتی ہے۔یہی وحدت پختہ اور پائیدار ہو جاتی ہے تو ملت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

چنانچہ علامہ کے نزدیک مشترکہ نصب العین ہی امت کے درمیان وحدت پیدا کر سکتا ہے۔انفرادی خودی کی تعمیر کی طرح مقصد کے بعد اگلا مرحلہ آرزو کا ہے۔جب انفرادی خودیاں ایک مقصد کے تحت ایک دوسرے سے ملتی ہیں‘ تو پھر یہ مجموعی طور پر اس کو پا لینے کی آرزو کے ذریعے اس کے حصول کے لیے گامزن ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت کو علامہ ’رموزِ بیخودی‘ میں ہی یوں بیان کرتے ہیں:

مرگ را ساماں زقطعِ آرزوست   زندگانی محکم از لَا تَقْنَطُوْا ست

[کیا تمہیں معلوم ہے کہ موت کا سروسامان کیا ہے؟ یہ کہ آرزو کا رشتہ کٹ جائے۔زندگی کو مضبوط و مستحکم

بنانے کا وسیلہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بشارت 'لَا تَقْنَطُوْا' کو سامنے رکھتا ہوا کبھی مایوس نہ ہو۔]

تا امید از آرزوے پیہم است ‏ ‏ ‏ ‏ ناامیدی زندگانی را سم است

[امید کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں پے در پے آرزوؤں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ناامیدی زندگی کے لیے زہر ہے۔]

نا امیدی ہمچو گور افشاردت ‏ ‏ ‏ ‏ گرچہ الوندی ' زپا می آردت

[ناامیدی انسان کو قبر کی طرح بھینچ کر رکھ دیتی ہے۔ اگر وہ الوند پہاڑ کی مانند بھی مضبوط و مستحکم ہو تو اسے چت گرا کر دم لیتی ہے۔]

ناتوانی بندۂ احسانِ اُو ‏ ‏ ‏ ‏ نامرادی بستۂ دامانِ او

''کمزوری ناامیدی کی مرہونِ منت ہے' نامرادی اس کے دامن سے بندھی چلی آتی ہے۔''

اجتماعی خودی کی تعمیر کا اگلا مرحلہ جہدِ مسلسل ہے۔ اب اس جماعت کو بھی انفرادی خودی کی طرح ان کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور مخالف قوتوں سے ٹکر لینی پڑتی ہے جس سے انفرادی خودیاں نبرد آزمائی کر چکی ہوتی ہیں۔ علامہ اس اصول کو یوں بیان کرتے ہیں:

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن ‏ ‏ ‏ ‏ چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

[(بڑی قوتوں سے ٹکرانے کے لیے) پہلے درویشی کا نشہ برداشت کرنے کی ہمت پیدا کر اور پھر اس نشہ کو مسلسل پینا شروع کر دے (درویشی کی روش پر مسلسل گامزن رہ)۔ جب تو اس میں پختہ ہو جائے تو پھر ایران کے بادشاہ جمشید کی سلطنت سے ٹکرلے!]

اس موضوع پر علامہ کے چند مزید اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی ‏ ‏ ‏ ‏ روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب!

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں!

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ شمشیر و سناں اوّل' طاؤس و رباب آخر!

اجتماعی خودی کی تعمیر میں اگلا مرحلہ یقین کا مرحلہ ہے جس کے حصول کے دو ذرائع علم و عشق ہیں۔ انفرادی خودی کی طرح علامہ اجتماعی خودی کے لیے بھی علم و حکمت کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ دو قسم کے علوم کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک ہے علم الاشیاء یا سائنس اور دوسرا ہے علم تاریخ۔ علم الاشیاء کے متعلق فرماتے ہیں:

کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر ‏ ‏ ‏ ‏ تختۂ تعلیم اربابِ نظر

[یہ پہاڑ' صحرا' دشت' دریا' تری' خشکی کیا ہیں؟ اصحابِ نظر کے لیے تعلیم کی تختیاں ہیں۔]

اے کہ از تاثیرِ افیوں خفتۂ ‏ ‏ ‏ ‏ عالمِ اسباب را دوں گفتۂ

[اے مسلمان! تو افیون کے اثر سے سو گیا ہے۔ اس دنیا کو جو عالمِ اسباب ہے ہیچ کہتا ہے۔]

خیز و وا کن دیدۂ مخمور را ‏ ‏ ‏ ‏ دوں مخواں ایں عالمِ مجبور را!

[اُٹھ اور خمار آلود آنکھیں کھول' اس عالم مجبور کو ہیچ مت کہہ!]

غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است امتحانِ ممکناتِ مسلم است

[اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کی ذات توسیع پائے اور اس کے ممکنات کی آزمائش کی جا سکے' یعنی دیکھا جا سکے کہ اس میں کتنی قوت' کتنی صلاحیت ہے۔]

علامہ اقبال کے نزدیک کسی بھی قوم کی اجتماعی جدوجہد میں علم الاشیاء حاصل کر کے کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرنے کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہونی چاہیے' کیونکہ دنیا کی قیادت وسیادت کا حصول اور اس کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح علم تاریخ کو قوم کی خودی کی حفاظت کے لیے سب سے اہم علم قرار دیتے ہیں:

چیست تاریخ اے زخود بیگانۂ داستانے' قصۂ' افسانۂ؟

[اے وہ جو اپنے آپ سے بیگانہ ہے' کیا تجھے معلوم ہے کہ تاریخ کیا ہے؟ کیا یہ کہانی ہے؟ قصہ ہے یا افسانہ ہے؟]

ایں ترا از خویشتن آگہ کند آشنائے کار و مردِ رہ کند

''یہ تجھے تیری حقیقی حیثیت سے آگاہ کرتی ہے۔ تجھے بتاتی ہے کہ کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اس طرح تجھے صاحب عزم وہمت بناتی ہے۔]

روح را سرمایۂ تاب است ایں جسمِ ملّت را چو اعصاب است ایں

[تاریخ روح کے لیے آب وتاب کا سرچشمہ ہے اور قوم کے جسم میں اسے رگ وپے کی حیثیت حاصل ہے۔]

ہمچو خنجر بر فسانت می زند باز بر روئے جہانت می زند

[یہ پہلے تجھے تلوار کی طرح سان پر لگاتی ہے' پھر اٹھا کر دنیا کی کشمکش گاہ میں پھینک دیتی ہے کہ جو کچھ انجام دے سکتا ہے' انجام دے!]

جب کوئی قوم علم وعقل کی روشنی میں اپنے مقصد کے حصول کی طرف گامزن ہو جاتی ہے تو مقصد کے علمی و عقلی طور پر مسلّم ہونے اور اس کے لیے جدوجہد میں کی گئی پیشرفت کے نتیجے میں مقصد کے عشق سے سرشار ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ متحد ہو کر دیوانہ وار اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے' چونکہ مقصد خود اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے' لہٰذا یہ مقصد کا عشق' عشق الٰہی بن جاتا ہے۔ مقصد کے ساتھ عشق قوم کے اوپر اسی صورت میں اثر انداز ہو سکتا اگر ان کا گہرا نفسیاتی تعلق ان کے اصل قائدین کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ وہ قائدین و رہنما جو ذاتی خودی کی تکمیل کے بعد اپنے آپ کو ملت میں گم کر چکے ہوں۔ اگر قوم کے ان سچے عاشقانِ حق کی بجائے کوئی اور ہیرو بنا دیے جائیں یا ان کے ساتھ تعلق کی بنیادوں کو تبدیل کر دیا جائے تو پھر مقصد کا عشق قوم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر رفیع الدین اپنی کتاب ''منشورِ اسلام'' میں قائدین کا رول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عام طور ایک نصب العین کے حسن کا ذاتی احساس کسی ایسے قائد یا راہنما کے ساتھ گہرا نفسیاتی یا روحانی تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو اس نصب العین کی محبت سے پوری طرح سرشار ہو۔'' (۱)

---

(۱) ڈاکٹر رفیع الدین' منشورِ اسلام' قائدین کا رول۔

چنانچہ اس ضمن میں علامہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مثال بیان کرتے ہیں' جو اس امت کے سچے راہنما اور پیرو ہیں' جنہوں نے اپنے آپ کو ملت میں گم کر دیا اور اس کے مقصد کی حفاظت کی خاطر جامِ شہادت نوش کیا۔ علامہ 'رموزِ بیخودی' میں فرماتے ہیں:

بہرِ آں شہزادۂ خیرُ المِلَل دوش ختم المرسلیں نِعْمَ الْجَمَل

[سب سے بہتر اُمت یعنی ملت اسلامیہ کے اس شہزادے کی شان یہ تھی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوشِ مبارک اس کے لیے کیا ہی اچھی سواری قرار پایا!]

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او

[عشق غیور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے خون سے سرخرو ہوا' ان ہی کے مضمون سے اس مصرع میں شوخی پیدا ہوئی۔]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حق کی شیفتگی میں انتہائی ناساز گار حالات کے تحت شہادت بہ طیب خاطر قبول کر لی' اس طرح عشق غیور کے لیے سرخروئی کا سامان بہم پہنچتا ہے۔

اسی طرح جب قوم اس سلوک میں مشکلات برداشت کرتی ہے تو اس کی اپنی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو جاتی ہے جو اس کی وحدت کو مزید پختہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ علامہ اس عشقِ رسولؐ کے بارے میں رموزِ بیخودی میں فرماتے ہیں:

عشقِ او سرمایۂ جمعیت است ہمچو خوں اندر عروقِ ملت است

[حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہی ہمارے لیے یکجا رہنے کا سامان ہے۔ یہ عشق خون کی طرح ملت کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔]

عشق در جان و نسب در پیکر است رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

[عشق جان میں اتر جاتا ہے اور نسب صرف جسم تک محدود رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ عشق کا رشتہ نسب کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔]

عشق کی منزل طے کرتے ہی قوم کو اپنے مقصد کے پانے کا یقین ہو جاتا ہے' جس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس قوم کو سرنگوں نہیں کر سکتی۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

انفرادی خودی کی تعمیر کی طرح اگر مقصد وہی ہو جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا یعنی اعلائے کلمۃ اللہ تو پھر یہ قوم بھی نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہو جاتی ہے۔ اقبال مسلم قوم کو یہی درس دیتے ہیں کہ اگر اسی مقصد کے لیے ثابت قدمی سے کوشش جاری رکھیں اور کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرتے رہیں تو ان کو نیابت الٰہی نصیب ہو جائے گی:

نائبِ حق در جہاں آدم شود بر عناصر حکمِ او محکم شود

[کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آدمی کو دنیا میں خدا کی نیابت مل جائے گی اور عناصر پر اس کی حکمرانی کا سلسلہ مستحکم ہو جائے گا۔]

سلوکِ تعمیرِ بےخودی اور قرآن

اقبال تعمیر بیخودی یا اجتماعی خودی کے لیے بھی قرآن کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ اپنی مشہور نظم ''جوابِ شکوہ'' میں فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی — شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی!

[تم خوار تو ہوئے ہو قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے' اور شکوہ گردشِ دوراں کا کر رہے ہو!]

''رموزِ بیخودی'' میں خلافتِ مسلمہ کے زوال کا بنیادی سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حُرّیت را زہر اندر کام ریخت

[جب خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑ لیا تو آزادی کے حلق میں زہر ڈال دیا گیا' یعنی آزادی جاتی رہی۔]

چنانچہ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب قرآن کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ اس لیے وہ اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے قرآن سے دوبارہ رشتہ استوار کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے کہ می داری کتابش در بغل — تیز تر نِہ پا بہ میدانِ عمل!

[اے وہ ملت کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) تیری بغل میں یعنی پاس ہے' اس کے نور سے فائدہ اٹھا اور عمل کے میدان میں قدم رکھ!]

(۳) تعمیرِ خودی: قرآن وسنت کی روشنی میں

اقبال کے تصورِ خودی کا ماخذ ان کے اپنے بقول قرآن مجید ہے۔ اسی طرح خودی کی تعمیر کے لیے واحد راستہ علامہ کے نزدیک اتباعِ رسول ﷺ کے سوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ ذیل میں سلوکِ تعمیرِ خودی کا اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ قرآن کی رو سے حضور اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت تین مقامات پر تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے' سورۃ التوبہ:۳۳' سورۃ الفتح:۲۸ اور سورۃ الصّف:۹۔ سورۃ الصّف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝۹﴾

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے' اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔''

مقصد کو پا لینے کے ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ بحکم اللہ اس کو حاصل کرنے کی آرزو کے تحت سرگرم عمل ہو گئے۔ اس طویل جدوجہد میں آپ ؐ کو بہت سے دشوار اور صبر آزما ادوار سے گزرنا پڑا۔ انہیں جادوگر کہا گیا' کاہن

کہا گیا' شاعر کہا گیا' پھر آپ پر جسمانی تشدد کی کوشش کی گئی' یہاں تک کہ آپ کو (معاذ اللہ!) قتل کرنے کے بھی منصوبے بنائے گئے۔ غرضیکہ اس راہ میں حائل رکاوٹیں اور مشکلات اتنی کٹھن تھیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بھی گاہے بگاہے آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس ضمن میں سب سے اہم علم جو حضور ﷺ کو دیا گیا' وہ علمِ تاریخ تھا۔ سابقہ اقوام میں سے قومِ نوح' قومِ عاد' قومِ ثمود' قومِ لوط' قومِ شعیب' اور آلِ فرعون کے واقعات قرآن میں کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ ان واقعات کا مقصد بیان فرماتے ہیں:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٢٠﴾

''(اے نبی ﷺ!) ہم رسولوں کے حالات میں سے ہر ایک آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کر دیں' اور اس (قرآن) میں آپ کے پاس حق آ گیا ہے اور وہ مؤمنوں کے لیے وعظ و نصیحت (بھی) ہے۔''

ایسی بے شمار آیاتِ قرآن میں ملتی ہیں جن کا مقصد یہی تھا کہ حضور ﷺ اس راہ میں حائل رکاوٹوں سے دل برداشتہ نہ ہوں' کہ ان کا سامنا تو تمام انبیاء ورسل ؑ کو کرنا پڑا۔ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ ایسا کام جو اس سے پہلے کسی نے کیا ہو یا کرنے کی کوشش کی ہو تو وہ بھی اس کو کرنے میں قدرے آسانی محسوس کرتا ہے' جبکہ وہ کام جو اس سے پہلے کسی انسان نے نہ کیا ہو' اس کو کرنا یقیناً بہت مشکل امر ہوتا ہے۔ دوسری قسم کا علم جو اس ضمن میں حضور ﷺ کو دیا گیا وہ کامیابی کی بشارتوں کا غیبی علم تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمّٓ ۝١ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝٢ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝٣ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝٤﴾ (الروم)

''ا ل م۔ رومی مغلوب ہو گئے قریب سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں غالب آ جائیں گے۔ پہلے اور پیچھے' اللہ ہی کا حکم ہے' اور اُس دن مؤمن خوش ہوں گے۔''

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨﴾ (الصف)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں' اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے چاہے کافروں کو کتنی ہی کراہت ہو۔''

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝٤٤ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝٤٥﴾ (القمر)

''کیا یہ کہتے ہیں ہم ایک جمعیت ہیں' ایک دوسرے کی مدد کرنے والے؟ یہ جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر دے گی۔''

اس علم کے حصول کے بعد رسول اکرم ﷺ کو جب مقصد کے پالینے کا یقین حاصل ہو گیا تو آپ زیادہ تندہی کے ساتھ اس کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ اس مرحلے میں سابقہ انبیاء ورسل ؑ کی طرح حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت کے لیے تمام وسائل اختیار کیے۔ کبھی مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں' کبھی حج کے قافلوں میں' کبھی گھر جا جا کر اور کبھی لوگوں کو گھر بلا کر۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ دشمنوں کی مخالفت کے باوجود مسلسل

اس راہ پر گامزن رہے۔ ابن کثیر نے بیہقی کے حوالے سے حضور ﷺ کی دعوت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اس مخصوص پس منظر کو واضح کرتا ہے جس میں حضور ﷺ اپنے مقصدِ بعثت کے حصول کے لیے سرگرم عمل تھے۔ امام بیہقی نے شعبہ کے ذریعے اشعث بن سلیم سے روایت کیا ہے کہ:

''بنی کنانہ کے ایک شخص نے بازار ذی المجاز میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگو کہو: لا الٰہ الا اللہ! تم فلاح پا جاؤ گے''۔ اُس شخص نے یہ بھی دیکھا کہ آپؐ کے پیچھے ایک اور شخص چلا جا رہا تھا اور آپؐ پر مٹی پھینکتے ہوئے یہ کہتا جاتا تھا: ''لوگو، یہ شخص کہیں تمہیں تمہارے آباء و اجداد کے دین سے پھیر نہ دے کہ تم لات اور عزیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔''

اسی طرح کا واقعہ طبرانی نے بھی حضرت منیب ازدی ؓ سے نقل کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپؐ فرما رہے تھے: ''لوگو، لا الٰہ الا اللہ' کہو کامیاب ہو جاؤ گے''۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی تو آپؐ کے چہرے پر تھوک رہا تھا اور کوئی آپؐ پر مٹی ڈال رہا تھا، اور کوئی آپؐ کو گالیاں دے رہا تھا، یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا۔ پھر ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپؐ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور فرمایا: ''میری بیٹی! نہ تو اپنے باپ کے اچانک قتل ہونے سے ڈرو اور نہ اپنے باپ کی کسی قسم کی ذلت کا خوف رکھو''۔ میں نے پوچھا یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب ؓ ہیں، وہ ایک خوبصورت بچی تھیں۔'' (طبرانی، مجمع الزوائد: ۸۱/۶)

یہ اور سیرت کے بہت سے واقعات رسولِ اکرم ﷺ کی بے لوثی، آپؐ کے اپنے مقصد سے عشق اور حُبِ الٰہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مقام بھی آیا کہ جب رسول اکرم ﷺ کو طائف کی گلیوں میں پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ اللہ کی رضا پر راضی رہے۔ اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کے دل سے نکلنے والی رقت آمیز دعا کتبِ سیرت میں درج ہے:

''اے اللہ! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بےبسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بےقدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے روئے انور کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے، کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے۔ اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔'' (الرحیق المختوم)

تعمیر خودی کا یہ سفر یقیناً ایک کٹھن سفر ہے، جس میں حائل رکاوٹوں کو عشق کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہی اس راہ میں ثابت قدم رہ سکتا ہے جس کا مقصود صرف اللہ کی رضا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس راہ کی مشکلات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ (البقرة)

''ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے' بھوک سے اور مال' جان اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔''

گویا سالک کی تربیت ان مراحل سے گزرے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ خوف' بھوک' مال و جان اور ثمرات کے نقصان کو برداشت کیے بغیر کوئی سالک اس راہ میں آگے نہیں جا سکتا' بلکہ ان مصائب کا مقصد ہی یہ ہے کہ خودی کی تعمیر ہو سکے اور انسان اپنی حقیقت یعنی خلافت فی الارض کا ادراک حاصل کر سکے۔ اس راہ میں مصائب سے ڈر کر ہمت ہار جانے والوں کو قرآن منافق کہتا ہے' جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب کی وعیدیں ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾﴾ (العنکبوت)

''اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں۔ ہاں اگر اللہ کی مدد آ جائے تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ جانتا نہیں ہے؟ اور اللہ لازماً جان کر رہے گا ان کو بھی جو ایمان لانے والے ہیں اور ان کو بھی جو منافقین ہیں۔''

اس امتحان اور آزمائش کا عروج کب ہوتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾﴾ (البقرة)

''تو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا' حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اُس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔''

یہ وہ مقام ہے جہاں تک وہی سالک پہنچ پاتا ہے جو جذبۂ عشق سے لبریز ہو' ورنہ بہت سے تو اس سے پہلے ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ اگر کوئی اس مرحلہ کو عبور کر لے تو اسے یقین محکم نصیب ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ موقع طائف کے مقام پر آیا' جب حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن دعا کے اختتام پر جب آپؐ نے اللہ کی رضا میں اپنی رضا کا اقرار کیا تو آپؐ کامیاب ہو گئے۔ یہ وہ مقام تھا جب باقاعدہ اللہ تعالیٰ کی مدد ملک الجبال کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ پھر اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد معراج کا واقعہ پیش آیا جس میں رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کروایا گیا۔ یہی آپؐ کی زندگی کا مقام تھا جہاں آپؐ نے یقین کی بلند ترین منازل طے کیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کبھی بھی پریشان نہیں

ہوئے' بلکہ اہل ایمان کو تسلیاں دیتے رہے۔ لیکن اس مقام سے پہلے آپؐ کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر واضح کیا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣﴾ (الشعراء)

''کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے اس غم میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے!''

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦﴾ (الکھف)

''تو کیا آپ اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دیں گے' اگر وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے!''

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝٨﴾

''پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' پس آپ کی جان ان پر افسوس کرتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضور اکرم ﷺ کو تربیتِ خودی کی شاید ضرورت نہ تھی' لیکن حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے تعمیر خودی کے ان کٹھن مراحل سے گزارا جن میں آپؐ کو ان تمام بشری تقاضوں کے ساتھ گزرنا پڑا جو کسی بھی عام انسان کو لاحق ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو آپ ﷺ کا اُسوہ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے بہترین اُسوہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اسی طرح انفرادی طور پر خودی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے ان کو ایک جماعت کی صورت میں منظم کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے طے کردہ مقصد کے حصول کے لیے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم ابتداءً قرآن کے استدلال اور الصادق والمصدوق ﷺ کی گواہیوں پر ساتھ دینے کے لیے تیار ہوئے' اور اس کے بعد اس راہ میں جہاد کرنے کے نتیجے میں انہیں اس مقصد سے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق ہو گیا۔ پھر انہوں نے بھی دیوانہ وار حضور ﷺ کے شانہ بشانہ کٹھن مراحل کو طے کیا' یعنی ان کو اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے بھی وہ تمام مراحل طے کرنے پڑے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ بھی اس سلوک کو واضح کر رہی ہے کہ اجتماعی خودی کی تعمیر کے لیے حضور ﷺ کی جماعت کو مشکلات' مصائب اور دشمنانِ اسلام کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا' یہاں تک کہ ایسے مقامات بھی آئے جب اہل ایمان کو ہلا مارا گیا اور ان کے پاس اللہ کو پکارنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے احوال کا نقشہ سورۃ الاحزاب میں کھینچا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝١١﴾

''جب وہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آ گئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مونہوں تک آ گئے اور تم اللہ پر مختلف قسم کے گمان کرنے لگے۔ تب مؤمنوں کو آزمایا گیا اور وہ ہلا مارے گئے جیسا کہ شدت سے ہلایا جاتا ہے۔''

لیکن اس سب کے باوجود اہل ایمان کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا گیا' یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مقام یعنی منصب خلافت پہچان لیا۔ اپنی خودی کو پہچاننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکومت وسیادت کو ملک لوٹنے اور اپنی خواہش نفس کی تسکین میں نہیں لگایا بلکہ ناانصافی' ظلم اور بربریت سے بھری دنیا کو امن کا گہوارہ اور جنت فی الارض بنا کر دکھا دیا۔ یہی عرفانِ خودی کا صحیح نتیجہ اور انسان کے اصل مقام یعنی منصب خلافت کا مظہر تھا۔ غرضیکہ اگر قرآن اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے تعمیر خودی کی منازل جن مآخذ سے اخذ کیں ان میں انہی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ پھر یہ ان کے فلسفہ کے صحیح ہونے کی سب سے بڑی وجہ بھی ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے فلسفہ کے خدوخال کو جدید انداز میں پیش کیا لیکن اس کا خاص خیال رکھا کہ یہ فلسفہ قرآن وسنت کے مسلمہ اصولوں کے ساتھ نہ ٹکرائے جو سراسر برحق ہیں۔

(۴) سلوکِ تعمیرِ خودی اور علامہ اقبال

علامہ کے نظریہ تعمیر خودی کی منازل سمجھنے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ جس شخص نے خودی کے اس بحر بیکراں میں غوطہ لگا کر یہ جوہر حاصل کیا اس نے اپنی خودی کو بھی اس سلوک پر چلایا کہ نہیں؟ اور اگر چلایا تو اس کو کیا حاصل ہوا؟ اس لحاظ سے علامہ نے اپنی کمزوریوں کا خود بھی اعتراف کیا ہے: ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے　　　گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی طرح جتنے بھی مفکران سے پہلے گزرے ہیں' ان کے ہاں بھی ہمیں عملی میدان میں کچھ کمی نظر آتی ہے۔ اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں' اس لیے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر بہت سی کمزوریاں ہیں۔ پھر اس کے پاس زندگی بھی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اس عرصے میں کوئی فکری سطح پر کارہائے نمایاں سرانجام دینا چاہتا ہے تو اسے زندگی کا ایک بڑا حصہ اسی کوشش میں لگانا پڑتا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ عملی میدان میں بھی اسی طرح تندہی کے ساتھ کارہائے نمایاں سرانجام دینا چاہے بھی تو ایسا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی کسی مرتب شدہ فکر کو لے کر عملی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے تو فکری سطح پر نمایاں مقام حاصل نہیں کر پاتا۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک طرف تو ائمہ اربعہ' ائمہ حدیث اور مجددین کرام کی علمی وفکری مساعی ہے تو دوسری طرف طارق بن زیاد' محمد بن قاسم' صلاح الدین ایوبی وغیرہم کا عملی جہاد ہے۔ چند استثناءات کے علاوہ ہمیں زیادہ تر یہی ترتیب انسانی تاریخ میں ملتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فکری میدان کی شخصیات کے دل میں عملی جدوجہد کرنے کا جذبہ ہی نہ ہو۔ علامہ اقبال یقیناً قلم وقرطاس کے شہسوار تھے' لیکن ان کے دل میں عملی جدوجہد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کا یہی موقف تھا کہ انسان اپنی بساط کے مطابق عملی کوشش تو کرتا رہے' لیکن اگر اس کام کی وہ اہلیت اور ہمت نہ پاتا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے التجا کرنی چاہیے۔ اس کے نتیجے میں یا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کام کی توفیق عطا فرما دے گا یا پھر اس کی اس تڑپ کو ایسی نوا بنا دے گا جو پھر ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو تڑپا دے گی۔ اقبال اپنی اس کیفیت کو ''بالِ جبریل'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا! کیا عشق پائدار سے نا پائدار کا!
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا!
میری بساط کیا ہے؟ تب وتابِ یک نفس! شعلہ سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگیٔ جاوداں عطا پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا!

اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے وہ یہ فریاد کرتے ہیں کہ:

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو!

اقبال اسی نوا اور ''بانگِ درا'' کے لیے مشہور نظم ''شکوہ'' میں یوں دعا گو ہیں:

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی بادۂ دیرینہ سے پیاسے دل ہوں
عجمی خُم ہے تو کیا' مے تو حجازی ہے مری نغمہ ہندی ہے تو کیا' لے تو حجازی ہے مری

ع ''دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے!'' یہ دُعا یقیناً قبول ہوئی اور ان کی نوا لاکھوں لوگوں کے دلوں کو گرما گئی اور گرما رہی ہے۔ یہاں بھی علامہ اقبال نے ایک اور غیر معمولی تصور پیش کیا ہے کہ عشق کبھی ختم نہیں ہوتا' وہ اپنا اثر دکھا کر رہتا ہے۔ اگر سالک عشق سے سرشار ہو جائے تو یا تو وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے' اور اگر نہ بھی پا سکے تو یہ عشق ایک ایسی درد بھری نوا کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے جو آنے والے وقتوں میں کئی لوگوں کو اس مقصد کی خاطر سرگرمِ عمل کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا عشق ہی تھا جس کا ظہور سب سے پہلے ان کی ذات میں ہوا' اور پھر اس نے جماعت' حکومت' ریاست اور پھر تہذیب کا روپ دھار کر ایک ہزار سال کی تابناک تاریخ لکھ ڈالی۔ لیکن آج اس دور میں جب مسلمان مغلوب ہو چکے تو کیا یہ عشق ختم ہو گیا؟ نہیں' بلکہ آج بھی کوئی مسلمان' عجمی ہو یا عربی' طائف کا واقعہ سنتا ہے تو اس کے دل کے تار چھڑ تے ہیں کہ نہیں؟ جی ہاں' آج بھی یہ عشق اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا موجب بن رہا ہے اور عنقریب اس عشق کا ظہور اسلام کے آفاقی غلبے کی صورت میں ہو کر رہے گا۔

بہر حال علامہ اقبال نے عملی میدان میں جو اہم کام سرانجام دیے ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سب سے اہم ان کا اپنے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایک جماعت 'جمعیت شبان المسلمین ہند' کا قائم کرنا تھا' جس کی بنیاد انہوں بیعت کی اساس پر رکھی تھی۔ لیکن اس اہم اقدام کے باوجود وہ اپنی طبعی کمزوریوں اور چند دیگر وجوہات کی بنا پر اس میں زیادہ پیشرفت نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ میں ایک فعال کردار' اہم مسلم سیاسی وسماجی شخصیات کو لکھے گئے خطوط' جدید اسلامی فقہ کو مرتب کرنے کی کاوش اور مولانا مودودیؒ جیسی فعال اسلامی انقلابی شخصیت کی صلاحیتوں کو جانچ کر انہیں دہلی سے پنجاب میں لانے پر آمادہ کرنا' ان کے ایسے عملی اقدامات ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کی وہ مساعی جس نے لاکھوں لوگوں کے دلوں کو گرما کر رکھ دیا ان کی وہ نوا تھی جو ان کی امت مسلمہ کے لیے گہرے درد اور عشق الٰہی وعشق رسولؐ کے جذبات سے سرشار ہو کر نکلی اور جس نے مسلمانوں کے سینوں کو گرما دیا اور اب بھی مسلسل گرما رہی ہے۔

(۵) حاصل کلام

حاصل کلام یہ کہ علامہ اقبال کا بنیادی تصور جس پر انہوں نے اپنے فکر وفلسفہ کو استوار کیا تصورِ خودی تھا۔ علامہ کے نزدیک خودی سے مراد ہر چیز کی وہ اصل ہے جس پر اسے تخلیق کیا گیا ہے۔ شیر کی اصل اس کی صفات دلیری، خودداری، گوشت خوری اور خون خواری ہی ہیں، اور شیر اُس وقت تک شیر رہتا ہے جب تک وہ ان صفات کا حامل رہتا ہے، لیکن اگر یہی شیر بھیڑوں کی سی خصلت اختیار کر لے تو دیکھنے میں تو یہ شیر ہوگا لیکن حقیقتاً بھیڑ بن جائے گا۔ یہی معاملہ علامہ کے نزدیک کائنات کی ہر جاندار و بے جان چیز کا ہے۔ گویا بحیثیت مجموعی اس کُل کائنات کی اصل بھی اس کی خودی ہی ہے۔ یہاں سے علامہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان بھی اصل میں یہ گوشت پوست کا انسان نہیں بلکہ اس کی انسانیت اس کی خودی میں پنہاں ہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان کی خودی بندۂ مومن کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی جس کا کامل اور اکمل نمونہ حضور اکرم ﷺ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ ایک غیر معمولی تصور تھا، کہ انہوں نے اس مسئلہ کا حل اپنے ذہن سے تلاش کرنے کی بجائے وحی الٰہی کی روشنی میں تلاش کیا۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ فلسفۂ خودی جس کو علامہ نے اپنے تصورِ خودی پر استوار کیا، بلاشبہ ایک جامع فلسفہ ہے، جس کے اثرات فلسفہ، نفسیات اور حیاتیات کی دیگر شاخوں تک پڑتے ہیں، نہایت اہم ہے اور اس پر ابھی کافی کام کرنا باقی ہے۔ لیکن ان کا وہ تصور جو اس تصورِ خودی پر ہی استوار ہوا اور جس کو انہوں نے اُمتِ مسلمہ کی عملی راہنمائی کے لیے پیش کیا، یعنی تعمیرِ خودی کا انقلابی تصور، اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ علامہ کے نزدیک یہ اُمت اور اس کا ہر فرد اپنی خودی کھو چکا ہے۔ اس لیے علامہ نے اس خودی کی تعمیر کے لیے فقر، خودداری، مشکل کوشی، بہادری، علم، عشقِ الٰہی، عشقِ رسول ؐ اور یقینِ محکم جیسی صفات اپنانے کی تلقین کی۔ وہ سلوک جن سے ان صفات کو اپنایا جا سکتا ہے اس کے نقوش ان کے پورے کلام میں بآسانی تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلوک میں علامہ کے نزدیک سب سے پہلی منزل مقصد کا تعین ہے۔ انسان بے شمار صلاحیتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ مقصد جیسا ہوگا اسی نہج پر انسانی خودی کی تعمیر ہوگی اور اسی سے متعلق صفات انسان میں پروان چڑھیں گی۔ ان کے نزدیک چونکہ انسانِ مطلوب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اس لیے وہ آپ ؐ ہی کے مقصد یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسی مقصد کے تحت انسان کی صحیح نہج پر تربیت ہو سکتی ہے اور وہ اپنا اصل مقام حاصل کر سکتا ہے۔ مقصد کے صحیح تعین کے بعد اگلا مرحلہ علامہ کے نزدیک اس مقصد کو پا لینے کی آرزو کو دل میں پالنے کا ہے۔ اس سے اگلا مرحلہ اس مقصد کو پانے کے لیے جہاد کرنے کا ہے۔ یہ ایک طویل اور کٹھن مرحلہ ہے جس میں سالک کو مشکلات، مصائب، دشمنوں کی مزاحمت، بھوک، خوف اور وسائل کی قلت جیسے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ خودی کی صحیح معنوں میں تعمیر بھی ان ہی کٹھن حالات سے گزرنے کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ اس جدوجہد میں جو مشکلات اور مصائب درپیش آتی ہیں ان کا مقابلہ یقین محکم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ یقین محکم اقبال کے نزدیک دو ذرائع سے حاصل ہوتا ہے، پہلے علم و عقل اور پھر عشق و جنون۔ سالک علم و عقل کے ذریعے مقصد کا صحیح تعین اور اس کو پا لینے کے ضمن میں ابتدائی طور پر کچھ یقین تو حاصل کر سکتا ہے لیکن یقین محکم عشق و جنون کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اقبال کے

نزدیک اگر سالک اس راہ میں ڈٹا رہ جائے تو سالک کو مقصد سے عشق ہو جاتا ہے' اور پھر وہ دیوانہ وار اس کے حصول کے لیے گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر سالک اس مرحلہ عشق پر پہنچ جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اب اسے مقصد کے حصول سے نہیں روک سکتی۔ یہ عشق وجنون ایک عظیم طاقت ہے جس کے بغیر تعمیر خودی کی منازل طے کرنا ممکن نہیں۔ جب سالک جذبہ عشق سے سرشار ہو کر اس راہ پر گامزن رہتا ہے تو اسے اس کو پا لینے کا یقین نصیب ہو جاتا ہے' اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کی خودی اپنا اصل مقام پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ علامہ کے نزدیک سالک کا انسانِ مطلوب اگر بندۂ مؤمن اور مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا تو اس مقام سے آگے وہ منصبِ خلافت پر فائز ہو جاتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے۔ جو جس بہتر انداز میں اس سلوک کی منازل کو پار کرتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ اپنی حقیقت سے آشنائی حاصل کر پاتا ہے۔ لیکن اگر مقصد کا تعین صحیح نہ ہو تو انسان اپنی کچھ صلاحیتوں سے آشنائی تو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے' لیکن اپنے اصل مقام یعنی منصب خلافت سے روشناس نہیں ہو سکتا۔

ایک اور غیر معمولی تصور جو علامہ نے پیش کیا وہ ان کا تصورِ بے خودی تھا۔ ان کے نزدیک خودی تنہا رہ کر اپنی تعمیر نہیں کر سکتی بلکہ اسے اس کے لیے اپنی جیسی خودیوں سے الحاق کرنا پڑتا ہے' جو ایک ہی مقصد کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتی ہیں۔ اجتماعی خودی کو بھی پھر اسی سلوک پر چلنا پڑتا ہے جس کے ذریعے انفرادی خودی کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر کی منازل بھی مقصد' آرزو' جہاد' علم' عشق اور یقین ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی جماعت ترتیب پاتی ہے جو اجتماعی طور پر منصب خلافت پر فائز ہو جاتی ہے۔ گویا خودی کی تعمیر کا یہ سلسلہ پہلے فرد سے شروع ہوتا ہے اور پھر اگلے مراحل میں جماعت' حکومت' ریاست' سلطنت اور تہذیب کی تعمیر تک جاری رہتا ہے۔ علامہ کے انسانِ مطلوب یعنی رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس تعمیر کے مراحل اور اس کے نتائج کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ذات سے تعمیرِ خودی کا آغاز کیا' اور پھر یہ طویل عمل مراحل طے کرتے ہوئے پہلے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی جماعت کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھر آگے چل کر ایک عظیم سلطنت اور تہذیب کی صورت اختیار کر گیا۔

اقبال شناسی سے جو بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اقبال جمودی طرزِ فکر کے سخت مخالف تھے۔ ان کا سارا کلام حیات' حرکت' انقلاب' تبدیلی' بیداری' جذبہ' جنوں اور عشق جیسے حرکی تصورات سے لبریز ہے۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ان پر کیا جانے والا کام صرف فلسفہ خودی' ماہیت خودی' اسلامی فکر کی تشکیل جدید' اور علم الکلام کی بحثوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہ علمی کام بھی' جیسا کہ بیان ہوا' صحیح نہج پر نہیں ہو رہا۔ یقیناً فلسفہ خودی اور اس کے دیگر فلسفوں پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے اقبالیات میں ابھی بہت سا کام کرنا باقی ہے' اور اس پر علمی اور تحقیقی کام بھی چلتے رہنا چاہیے' لیکن اقبال کا عملی پیغام جس کے ذریعے وہ اُمتِ مسلمہ اور اس کے ہر فرد کے اصل کردار کی از سر نو تعمیر کے خواہاں تھے' کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعمیرِ خودی کے سلوک کو جس کے نقوش علامہ کے کلام میں ملتے ہیں' مزید واضح طور پر مرتب کیا جائے' تا کہ اس کے ذریعے سے اُمتِ مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی خودی کی از سر نو تعمیر کا کام سرانجام دیا جا سکے۔

❁❁❁

سیرتِ نبویؐ اور مستشرقین

بسلسلہ: تحریکِ استشراق: ایک تعارف (۵)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

سیرت کے بارے میں مستشرقین کے نقطۂ نظر اور رویوں کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین کا ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کو' معاذ اللہ! جعل ساز' مکار' فریبی اور جھوٹا نبی (impostor) تک قرار دیتے ہیں۔ دوسرے دور کا آغاز انیسویں صدی کے وسط سے ہوتا ہے۔ اس دور میں عام طور پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاص پر تو کسی شک کا اظہار نہیں کیا گیا' لیکن آپ کے دعوائے نبوت کو معصومانہ وہم (innocent delusion) قرار دیا گیا اور اس کا تعلق کسی نوع کے نفسیاتی خلل (psychological disorder) سے قائم کر دیا گیا۔ پہلے دور کا آغاز ساتویں صدی عیسوی کے پادری یوحنا دمشقی سے ہوتا ہے جبکہ ڈاکٹر محمد مہر علی (Mohar Ali) نے دوسرے دور کا آغاز تھامس کارلائل (Thomas Carlyl1795-1881) کو قرار دیا ہے۔(۱)

اللہ کے رسول ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں مستشرقین کے پہلے دور کا رویہ ایسا ہے کہ معاصر مغرب کو بھی اس پر افسوس ہے۔ معروف مستشرق ڈاکٹر فلپ کے ہٹی (Philip Khuri Hittl 886-1978) نے اپنی کتاب Islam and the West مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں Islam in Western Literature کے نام سے باقاعدہ ایک باب باندھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین کے بے ہودہ الزامات اور بے سروپا کہانیاں نقل کی ہیں۔ اس باب کا ترجمہ مولانا وحید الدین خان نے اپنی کتاب 'شاتم رسول کا مسئلہ' میں نقل کیا ہے' جس کا خلاصہ ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

یوحنا دمشقی (Saint John of Damascus 676-749) وہ پہلا عیسائی عالم ہے کہ جس نے اسلام پر یہ طعن کیا کہ اسلام بت پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور اس میں ایک جھوٹے رسول کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد دانتے (Dante Alighier) نے اپنی مشہور نظم خدائی کامیڈی (Divine Comedy) میں پیغمبر اسلام ﷺ کو نوویں جہنم میں دکھایا ہے۔ قرطبہ کے ایک بشپ ایولوگیس (Saint Eulogius of Córdoba) نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد ان کے جسم کو کھانے کے لیے جنگلی کتے آئے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان کتوں کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ یہ افسانہ پہلے لاطینی زبان میں شائع ہوا اور بعد میں فرانس میں پہنچا تو ایک فرانسیسی شاعر نے اپنی ایک نظم میں یہ نقشہ کھینچا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد ان کے جسم کو جنگلی کتے اور سور دونوں کھانے آ رہے ہیں۔(۲) معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

اسی طرح یہ کہانی بھی اہل مغرب میں صدیوں گردش کرتی رہی کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا تابوت زمین اور آسمان کے مابین معلق ہے' کیونکہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ایک اور افسانہ تو اس قدر معروف ہوا کہ انگریزی ادب میں شامل ہو گیا اور وہ یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک کبوتر کو تربیت دے رکھی تھی جو ہر وقت آپ کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفے وقفے سے جب آپ کے کان میں پڑا ہوا دانہ چگنے کے لیے چونچ مارتا تو آپ فرماتے کہ روح القدس اس کے ذریعے مجھے الہام کر رہے ہیں۔شیکسپیئر (William Shakespeare 1564-1616) نے اپنے ایک کردار کی زبانی اس قصے کو نقل کیا ہے۔شیکسپیئر سے بہت پہلے برطانوی شاعر جان لڈگیٹ (John Ludgate 1370-1451) تو اس کبوتر کے رنگ سے بھی واقف تھا کہ اس کا رنگ دودھیا سفید تھا۔ یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کے ہاں کبوتر روح القدس کی علامت ہے مگر اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔فرانسس بیکن (Francis Bacon 1561–1626) نے پیغمبر اسلام ﷺ کو عطائی (mountebank) قرار دیا تو سیور ڈو ریر (Sieur du Ryer) نے فرانسیسی میں محمد کا قرآن (The Alcoran of Mahomet) کے نام سے ترجمہ قرآن شائع کیا۔(۳)

سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے دوسرا دور کہ جسے مغرب علمی اسلوب اور رویے (academic scholarship) کا نام دیتا ہے' بھی اپنے مقاصد کے اعتبار سے پہلے دور سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔اس دور کے نامور مستشرقین کے نزدیک بھی محمد ﷺ نہ تو اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کوئی آسمانی کتاب ہے۔ان میں بعض آپ کو مخلص گردانتے ہوئے وحی کے سلسلے کو خطائے حس (hallucination) قرار دیتے ہیں۔ان کے بقول پیغمبر اسلام ﷺ نے غار حراء میں امر واقعہ میں کسی فرشتے یا جبرائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا بلکہ شدتِ فکر اور کثرتِ مجاہدہ سے آپ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ آپ نے غار حراء میں کسی کو دیکھا ہے یا کسی نے وہاں آپ سے کچھ پڑھنے کو کہا ہے۔جبکہ مستشرقین کی ایک اور جماعت آپ کو محض ایک سماجی مصلح (social reformer) قرار دیتے ہوئے آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتی ہے۔یعنی وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک بہترین انسان یا اچھا قومی لیڈر ماننے کو تو تیار ہیں لیکن رسول یا نبی نہیں۔اس دور کے یہ سب مستشرقین الگ الگ راگ الاپنے کے باوجود اپنے مقصد میں یکسو ہیں اور وہ محمد ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار کرنا ہے۔دوسرے دور کے معروف مستشرقین میں ہمیں الائے اسپرنگر' ولیم میور' صموئیل مارگولیتھ اور منٹگمری واٹ کے نام ملتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا اور ان کے افکار کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

الائے اسپرنگر (Aloys Sprenger) ۱۸۱۳ء۔۱۸۹۳ء

الائے اسپرنگر ایک آسٹرین عیسائی مستشرق تھا جو ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوا' یونیورسٹی آف وی آنا (University of Vienna) سے طبی اور مشرقی علوم کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد لندن چلا گیا۔ مسلمانوں میں عسکری علوم وفنون کی تعلیم وتربیت کی تاریخ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور ۱۸۴۳ء میں کلکتہ آ گیا اور یہاں دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔۱۸۴۸ء میں لکھنؤ آ گیا اور یہاں شاہی لائبریری کی فہارس تیار کیں۔

۱۸۵۰ء میں اسے ایشیائی سوسائٹی آف کلکتہ (Asiatic Society of Calcutta) کا سیکرٹری بنایا گیا۔ ۱۸۵۷ء میں سوئٹزرلینڈ کی یونیورسٹی آف برن (University of Bern) اور ۱۸۸۱ء میں جرمن یونیورسٹی ہائیڈل برگ (Heidelberg) سے تدریس کا تعلق قائم کیا۔ ۱۸۹۳ء میں فوت ہوا۔ (۴)

الائے اسپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں سیرت پر The life of Mohammad کے نام سے کتاب شائع کی۔ علاوہ ازیں اس نے ہندوستان میں قیام کے دوران عربی اور فارسی کی بعض کتب کو ایڈٹ کر کے بھی شائع کیا۔ ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ ہے وہ ۱۸۵۱ء میں 'الہ آباد' سے شائع ہوا۔ کتاب ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے جن میں سے شروع کے ۴۷ صفحات دور جاہلیت کی تاریخ کو بیان کر رہے ہیں۔ (۵)

اسپرنگر کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ توہم پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ جنّات پر یقین رکھتے تھے' فال نکالتے تھے اور جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ (۶) اسپرنگر جو تادمِ حیات رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ رہا (۷) ' اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآن مجید کو تو جنّات پر یقین کی وجہ سے ہدفِ تنقید بنائے لیکن بائبل پر اس حوالے سے کوئی تبصرہ نہ کرے۔ جہاں تک جنّات کی بات ہے تو بائبل کے قدیم اور معاصر تراجم ان کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں اگرچہ اس کے لیے عربی لفظ 'جن' کی بجائے شریر ارواح (evil spirits) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے' مثلاً لوقا کی انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے وہ شخص صحت یاب ہو کر جاتا تھا کہ جسے بدروح چمٹ گئی ہو۔ (۸) علاوہ ازیں فال نکالنے کے بارے میں اگلے صفحے پر خود ہی اسپرنگر نے وضاحت کر دی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ صرف نیک فال لیتے تھے۔ (۹) تو جب نیک فال لیتے تھے تو پھر کیا اعتراض باقی رہ گیا؟

اسپرنگر قرآن مجید کی آیت ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ (الضحیٰ) کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنے دعوائے نبوت سے پہلے بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ (۱۰) اس کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ذہن میں اپنے آباء واَجداد کے دین بُت پرستی کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات اور اوہام نے جنم لیا تو مسلمانوں نے اسے وحی کا نزول قرار دے دیا۔ (۱۱) ہمارا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں کوئی ایسی بات نقل نہیں ہوئی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ معاذ اللہ! بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس کی بہترین تفسیر جو علمائے اسلام کی ایک جماعت نے کی ہے' یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ کے رب نے آپ کو گم راہ لوگوں میں پایا یعنی دورِ جاہلیت اور بت پرستی کے زمانے میں اور ہدایت دی۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو تلاشِ حق میں سرگرداں پایا اور ہدایت عطا فرمائی۔ آپ ﷺ نبوت ملنے سے پہلے ملتِ ابراہیمی اور دین توحید پر تھے' اگرچہ دین ابراہیمی اپنی مکمل صورت میں محفوظ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت اسلامیہ کا ابھی تک نزول ہوا تھا۔ پس آپ نبوت سے پہلے تفصیلی ہدایت یعنی شریعت کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اس کے لیے غارِ حراء میں قیام کے دوران دین ابراہیمی کی باقیات کے مطابق عبادت فرمایا کرتے تھے۔

اسپرنگر کا کہنا یہ بھی ہے کہ ہمیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ محمد ﷺ کی غارِ حرا میں زید سے ملاقات ہوئی ہو گی جو دین حنیفیت پر تھے۔ انہوں نے ہی پیغمبر اسلام ﷺ کے ذہن میں ایک خدا کا تصور ڈالا ہو گا اور ان کی اس طرف رہنمائی کی ہو گی کہ وہ سابقہ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل کا مطالعہ کریں۔ (۱۲) ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس بات کی

کوئی دلیل اسپرنگر کے پاس نہیں ہے' اور ہوگی بھی کہاں کہ غار حراء میں محمد ﷺ کی ملاقات زید سے ہوئی ہوگی اور پھر زید نے آپ کی ایک نئے دین کی طرف رہنمائی کی ہوگی۔ اسی لیے تو قرآن مجید ان لوگوں کے بارے کہتا ہے:

﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (الجاثیة)

''ان کے پاس ان کے دعویٰ کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے' یہ محض اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں۔''

اسپرنگر کا کہنا یہ بھی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنا زیادہ تر وقت غار حراء میں گزارتے تھے اور مکہ میں کبھی کبھی آتے تھے۔ مسلسل مراقبوں کی وجہ سے انہیں خواب میں کچھ نظر آنے لگا اور ایک دن انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ انہیں کہہ رہا ہے کہ آپ پڑھیں![۱۳] ہمارا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے یہ کہنا قطعی طور پر غلط ہے کہ آپ اپنے اوقات کا اکثر حصہ غار حراء میں گزارتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ صحابہؓ کے بیان کے مطابق آپ نبوت سے پہلے' سال میں صرف ایک مہینہ غار حراء میں قیام کرتے تھے۔[۱۴] بعض سیرت نگاروں کے مطابق آپ نے اپنی عمر کے اڑتیسویں سال سے اس کا آغاز کیا اور چالیسویں سال میں' جس مہینے میں آپ نے قیام فرمایا' وہ رمضان کا مہینہ تھا اور یہ تیسرا سال تھا کہ جس میں آپ نے غارِ حراء میں قیام فرمایا۔ اسی سال حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ اور پھر یہ کہ جب پہلی وحی کے نزول کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لائیں تاکہ معلوم کریں کہ معاملہ کیا ہے تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ محمد ﷺ نے جسے دیکھا ہے' وہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لایا تھا۔ جو پیغمبر اسلام ﷺ نے دیکھا' ورقہ بن نوفل نے نہ صرف اُس کے حق ہونے کی تصدیق کی بلکہ یہ بھی پیشین گوئی کی کہ آپ کی قوم آپ کو آپ کے گھر سے نکال دے گی اور آپ کی مدد کرنے کی شدید خواہش کا اظہار بھی کیا۔ اور یہ ورقہ بن نوفل وہ عیسائی عالم دین تھے جو دین عیسائیت میں بوڑھے ہوئے تھے اور انجیل کو اپنے ہاتھ سے عربی زبان میں لکھتے تھے۔[۱۵] آپ کے معاصر عیسائی عالم دین کو تو آپ سے ملاقات کے بعد یہ احساس نہ ہوا کہ محمد ﷺ نے غار حراء میں کوئی خواب دیکھا ہے' لیکن ۱۲ سو سال بعد ایک عیسائی مشنری کو یہ خواب آتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ خواب میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے اور اسے حقیقت سمجھ لیتے تھے!

اسپرنگر نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ذہن میں دین اسلام تین مراحل سے گزر کر ایک نظامِ زندگی کی صورت میں سامنے آیا۔ پہلا مرحلہ تو یہ تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ذہن میں بت پرستی سے بیزاری پیدا ہونی شروع ہوئی اور انہوں نے اپنے آباء واَجداد کے دین بت پرستی کو شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔[۱۶] دوسرے مرحلے میں مراقبات کی کثرت کی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ کو وحی والے خواب نظر آنے لگے کہ جس میں بت پرستی کی مخالفت تھی تو انہوں نے بت پرستی کی مخالفت شروع کر دی۔[۱۷] اور اس مخالفت کے لیے وہ اپنی شاعری کو ذریعہ بناتے تھے۔ تیسرے مرحلے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے یہود ونصاریٰ کی کتب کا مطالعہ کیا کہ ان سے اس بابت کوئی رہنمائی ملے' لیکن یہود ونصاریٰ سے مایوسی کے بعد انہوں نے ایک نیا دین متعارف کروانے کی طرف توجہ کی۔[۱۸] اس کا کہنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ خطائے حس (halucinations) کے عارضہ میں مبتلا تھے اور انہیں اپنے اس عارضہ کا اس شدت سے احساس تھا کہ

انہوں نے کئی مرتبہ مایوس ہوکر خودکشی کی بھی کوشش کی۔ (۱۹) ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مطہرہ پر بہتان ہے اور اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ جہاں تک خودکشی کے بہتان کا معاملہ ہے تو اس کا پس منظر صرف اتنا ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد اللہ کے حکم سے وحی کچھ عرصہ کے لیے رکی رہی اور اسے فترتِ وحی کا زمانہ کہتے ہیں۔ وحی کے نزول میں اس عارضی رکاوٹ نے آپ کی طبیعت میں اس قدر اضطراب اور بے چینی پیدا کر دی کہ بعض اوقات آپ یہ سوچتے کہ وحی کے بغیر زندگی کا کیا فائدہ؟ اس سوچ اور فکر کا سبب وحی کا شوق تھا نہ کہ کسی قسم کی مایوسی۔ (۲۰)

اسی طرح اسپرنگر نے آپ کی ذات پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے یہ کہنا کہ کہ نرم دل تھے، درست نہیں ہے، بلکہ وہ اتنے سخت دل تھے کہ انہوں نے ایک قبیلے کے بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں کھلے میدان میں دھوپ میں پھینک دیا اور وہ بھوکے پیاسے مر گئے۔ (۲۱) ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس اعتراض کی حقیقت یہ ہے کہ عکل اور عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے پیٹ خراب ہو گئے۔ آپ نے انہیں مدینہ سے باہر بیت المال کے اونٹوں کی ایک چراگاہ میں بھیج دیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ آٹھ کے قریب افراد تھے۔ انہوں نے وہاں قیام کیا تو صحت مند ہو گئے۔ انہوں اس چراہ گاہ کے نگران صحابی کو اس طرح بے دردی سے قتل کیا کہ ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیریں، انہیں بھوکا پیاسا پھینک دیا اور بیت المال کے اونٹ ہانک کر بھگا لے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان کے پیچھے تقریباً بیس صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا۔ انہوں نے انہیں پکڑا اور مدینہ لے آئے۔ آپ ﷺ نے ان صحابی کا قصاص لیتے ہوئے اور بیت المال کے اونٹوں کی لوٹ مار کی سزا کے طور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا، بلکہ اُسی طرح قتل کرنے کا حکم دیا جس طرح انہوں نے چراگاہ کے نگران صحابی کو قتل کیا تھا۔ (۲۲) عکل اور عرینہ قبیلے کے ان لوگوں کے اس جیسے فعل کو قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ، فساد فی الارض یعنی دہشت گردی قرار دیا ہے اور اس قسم کے جرائم کے لیے ایسی ہی سخت سزا بیان کی ہے۔ (المائدۃ:۳۳)

ولیم میور (William Muir) ۱۸۱۹۔۱۹۰۵ء

ولیم میور ایک سکاٹش مستشرق ہے جو ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوا۔ گلاسگو اور ایڈنبرگ کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۳۷ء کو بنگال سول سروس کو جوائن کیا اور شمال مغربی صوبوں کے گورنر کے سیکریٹری کے طور پر اپنی سروس کا آغاز کیا۔ ۱۸۶۵ء میں انڈین گورنمنٹ کا سیکریٹری خارجہ مقرر ہوا۔ ۱۸۶۸ء میں اسے شمال مغربی صوبوں کا لیفٹیننٹ گورنر بنا دیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں شاہی ایشیائی سوسائٹی (Royal Asiatic Society) کا صدر بنا۔ ۱۸۸۵ء میں ایڈنبرگ یونیورسٹی کا پرنسپل منتخب ہوا اور ۱۹۰۳ء میں ریٹائر ہوا۔ یہیں پر ۱۹۰۵ء میں اس کی وفات ہوئی۔ (۲۳)

معروف کتب میں The Life of Mahomet and History of Islam to the Era of

the Hegira ہے' جس کی پہلی دو جلدیں ۱۸۵۸ء اور تیسری' چوتھی جلد ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئیں۔ یہی کتاب بعد میں تہذیب و تنقیح کے ساتھ The Life of Mahomet from Original Sources کے نام سے ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی۔ خلافت پر ایک کتاب The Caliphate: Its Rise, Decline and Fall کے نام سے لکھی۔ علاوہ ازیں کتب سیرت اور تاریخ میں Mahomet and Islam اور The Rise and Decline of Islam ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں سیرت پر ایک کتاب The Mohammedan Controversy کے نام سے بھی شائع ہوئی۔ (۲۴)

سر ولیم میور کی معروف کتاب The Life of Mahomet ہے۔ ہمارے پاس اس کا ۱۹۲۳ء کا ایڈیشن ہے جو The Life of Mohammad کے نام سے شائع ہوا۔ کتاب کو دو حصوں Mohammad Till The Hijra اور Mohammad At Medina میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب ۳۷ ابواب اور ۵۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

سرسید احمد خان نے اس کتاب کا جواب دینے کی خاطر لندن کا سفر کیا اور '**الخطبات الأحمدية في العرب والسيرة المحمدية**' کے نام سے سر ولیم میور کے رکیک اعتراضات کا جواب دیا۔ یہ کتاب اردو میں 'خطبات احمدیہ' کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی لندن سے شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر مہر علی نے بھی اپنی کتاب میں ولیم میور کے اعتراضات کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ولیم میور اپنے پیش رو اسپرنگر کا خوشہ چیں ہے اگرچہ اس نے سیرت کے موضوع پر مفصل کلام کرتے ہوئے اس کے کام پر اضافہ بھی کیا ہے۔

مستشرقین اس بات کو نہیں مانتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی مکہ آئے تھے اور انہوں نے یہاں حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا یا انہوں نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ ان کے بقول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کی قربانی پیش کی تھی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ ولیم میور نے ان خیالات کو جدید اسلوب میں پیش کیا۔ اس کے بقول پہلے پہل مکہ میں بت پرست قبائل آ کر آباد ہوئے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے بارہ بیٹے شمالی عرب میں یمن کے علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ بعد ازاں یمن سے ان کا ایک قبیلہ مکہ میں آیا اور آباد ہوا۔ (۲۵) ڈاکٹر مہر علی نے اپنی کتاب 'سیرت نبوی اور مستشرقین' میں اس کے اس نقطہ نظر کا خوب رد کیا ہے۔

ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ (David Samuel Margoliouth) ۱۸۵۸۔۱۹۴۰ء

مارگولیتھ ۱۸۵۸ء میں لندن میں پیدا ہوا۔ چرچ آف انگلینڈ (Church of England) کے ایک متحرک پادری کے طور پر شہرت حاصل کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ۱۸۸۹ء سے لے کر ۱۹۳۷ء تک عربی زبان کا استاذ رہا۔ اس کا والد یہودی سے عیسائی ہوا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں شاہی ایشیائی سوسائٹی (Royal Asiatic Society) کا ممبر بنا اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۷ء تک اس کا صدر رہا۔ عربی کتابوں کی ایڈیٹنگ اور ترجمے کی وجہ سے شہرت حاصل کی یہاں تک کہ مصری شاعر احمد شوقی نے اپنی نظم 'نیل' کا انتساب اس کی طرف کیا۔ معروف کتب میں

Mohammed and the Rise of Islam ہے جو ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں بنوامیہ اور بنوعباس پر ایک کتاب Umayyads and Abbasids کے نام سے شائع کی۔ ۱۹۱۴ء میں The Early Development of Mohammedanism کے نام سے فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایک کتاب مرتب کی۔ ۱۹۲۲ء میں بنوعباس کے زوال پر ایک اور کتاب The Eclipse of the Abbasid Caliphate نام سے شائع کی۔ (۲۶)

ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ ہے وہ ۱۹۰۵ء میں نیو یارک سے شائع ہوا ہے۔ کتاب ۱۱۳ ابواب اور ۴۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ مارگولیتھ بھی اپنے پیش روؤں کا مقلد ہے اور اس کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ لیا تھا۔ جو کچھ وہ خواب میں دیکھ رہے تھے' اسے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ یا کتاب سمجھ رہے تھے اور اس بنیاد پر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اس نے اپنی کتاب میں CHAPTER III FIRST DREAMS OF INSPIRATION: ENDING IN THE CONVICTION THAT HE WAS THE PROPHET OF HIS PEOPLE کے عنوان سے باب باندھا ہے۔ (۲۷) اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے سفر معراج کو بھی ایک خواب قرار دیا۔ (۲۸) اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ محمد ﷺ نے عیسائیت کے بارے میں زیادہ تر معلومات سفر شام کے دوران وہاں سے حاصل کیں اور انہیں قرآن مجید میں شامل کیا۔ (۲۹) مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر مہر علی نے اس کے نظریات کا کافی وشافی رد اپنی کتاب 'سیرت نبوی اور مستشرقین' میں کیا ہے۔ اس کتاب کو شاہ فہد پرنٹنگ پریس نے شائع کیا ہے اور انگریزی زبان میں ہے۔

ولیم منٹگمری واٹ William Montgomery Watt (۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء)

ولیم منٹگمری واٹ William Montgomery Watt (۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء) بھی ایک برطانوی مستشرق تھا۔ اسکاٹش چرچ (Scottish Episcopal Church) سے بطور پادری وابستہ رہا۔ اسی طرح ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۹ء تک بطور استاذ علوم اسلامیہ اور عربی زبان' یونیورسٹی آف ایڈنبرگ سے بھی وابستہ رہا ہے۔ یونیورسٹی آف ٹورنٹو اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں بھی وزٹنگ پروفیسر رہا ہے۔ منٹگمری واٹ کو آخری مستشرق The Last Orientalist کا خطاب بھی دیا گیا۔ (۳۰)

قرآن مجید پر اس کا ایک مقدمہ Introduction to the Quran کے نام سے ہے جو ۱۹۷۷ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ معروف کتب میں سیرت پر دو کتابیں Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina ہیں جو بالترتیب ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئیں۔ ان دونوں کتابوں کا خلاصہ Muhammad: Prophet and Statesman کے نام سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ کتب میں Islamic Philosophy and Theology اور Islamic Political Thought شامل ہیں۔ (۳۱)

منٹگمری واٹ بھی مشنری عیسائی ہے۔ اگرچہ اپنی تحریروں میں اللہ کے رسول ﷺ کی جا بجا تعریف بھی کرتا

ہے لیکن جب سوال آپ کی نبوت اور رسالت کا ہوتا ہے تو وہاں ڈنڈی مارنے سے باز نہیں آتا۔ ایک جگہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ محمد ﷺ پیغمبر تھے یا نہیں، یہ کہتا ہے کہ وہ تخلیقی نوعیت کے عظیم مفکر اور مصلح تھے جنہوں نے اپنی عرب قوم کو ایک ایسا نظام زندگی دیا جو اس سے بہت بہتر تھا جو ان کے پاس محمد ﷺ کی آمد سے پہلے موجود تھا۔ (۳۲) منٹگمری واٹ وہ پہلا مصنف ہے جس نے سیرت پر مستشرقین کو یہ منہج دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعریفیں خوب کرو لیکن انہیں پیغمبر نہ مانو۔ آج سادہ لوح مسلمانوں کی ایک جماعت ایسے مستشرقین کے آپ ﷺ کے حق میں کلمہ خیر کو بڑے فخر سے بیان کرتی ہے، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مستشرقین ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت محمد ﷺ کی تعریف بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہے کہ محمد ﷺ کو ایک عظیم مفکر، مصلح، مخلص اور محنتی انسان کے طور دنیا میں متعارف کروادو اور دنیا انہیں بس اتنا ہی سمجھے اور ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو کسی صورت بھی قبول نہ کرے۔ پروفیسر ڈاکٹر جبل محمد نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ Image of the Prophet Muhammad in the West: A Study of Muir, Margoliouth and Watt میں ولیم میور، مارگولیتھ اور منٹگمری واٹ کے اعتراضات کا مفصل جواب دیا ہے۔ (۳۳)

مصادر و مراجع

1- Mohammad Mohar Ali, Sirat al-Nabi and The Orientalists, King Fahad Complex, Madinah, 1997, page. VII-VIII

۲۔ وحید الدین خان، شاتم رسول کا مسئلہ: قرآن و حدیث اور فقہ و تاریخ کی روشنی میں، گڈ ورڈ بکس، نیو دہلی، ۲۰۰۷، ص ۱۱۔۱۲

۳۔ ایضاً: ص ۱۱۔۱۴

4- Unknown, "Aloys Sprenger ", http://en.wikipedia.org/wiki/Aloys_Sprenger (accessed January 6, 2014)

5- Ibid.

6- The prophet was not free from superstition; he believed in jinn, omens and charms, and he had many superstitious habits. The jinn were, according to his opinion, of three kinds: some have wings and fly; others are snakes and dogs; and those of the third kind move about from place to place like men. Again, some of them believed in him, and others did not. (A. Sprenger, Life of Muhammad from Original Sources, Allahabad, Presbyterian Mission Press, 1851, p. 90)

7- Muhammad Ikram Chaghatai, DR. ALOYS SPRENGER (1813-1893) His Life and Contribution to Urdu Language and Literature , http://www.allamaiqbal.com/publications/journals/review/apr95/5.htm (accessed Jan uary 6, 2014)

8- At that very time Jesus cured many who had diseases, sicknesses and evil spirits, and gave sight to many who were blind (Luke: 7: 21)

9- His ideas of omens, however, were more sensible: he admitted lucky omens, but forbad to believe in unlucky ones. (Life of Muhammad p. 91)

10- Up to his fortieth year Mohammad devoutly worshipped the gods of his fathers (Quran: 93: 7). (Ibid., p. 94)

11- When he was forty years of age the first doubts concerning idoltary arose in his mind. The true believers ascribe this crisis to a divine revelation. (Ibid., p. 95)

12- It is likely that the accentric Zayed, whom he must have met in mount Hara, first instilled purer notion respecting God into his mind, and induced him to read the Biblical history. (Ibid., p. 95)

13- He spent the greater part of his time in Hara, and came only occasionally to Makkah for new provisions. Undisturbed meditation increased his excitement, and his over-strained brains were, even in sleep, occupied with doubts and speculations. In one of his visions he saw an angel, who said to him, "Read!". (Ibid., p. 95)

١٤ـ ابن هشام، عبد الملك الحميرى، السيرة النبوية، مطبعة مصطفى البابى الحلبى، مصر، ١٩٥٥ء، ١/٢٣٥

١٥ـ البخارى، محمد بن اسماعيل، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ، دار طوق النجاة، ١٤٢٢ھ، ١/٧

16- In the Quran we can trace three phases in the progress of the mind of Mohammad, from idolatry to the formation of a new creed. First, the religion of the Ka'bah, in which he sincerely believed, seems to have formed the principal subject of his meditations...By mystifying the faith of his fathers he tried to reconcile it with the belief in one God. (Life of Muhammad, p. 103)

17- It has been mentioned that the vision, in which he was ordered to read, caused him finally to renounce idolatry...Before the vision he was an idolator; and after the fatrah he possessed the acquaintance with the Scriptural history, which we find in the Qoran. Even after he had declared himself a prophet he shewed, during the beginning of his career, a strong leaning towards, and a sincere belief in, the Scriptures and Biblical legends; but in proportion to his success he seperated himself from the Bible. This is the second phase in the progress of the prophet's mind. (Ibid., p. 104)

18- Disappointed with the Jewish and Christian religions, he began to form a system of faith of his own; and this is the third phase of the transition period. (Ibid.,p. 105)

19- He suffered of halucinations of his senses; and, to finish his sufferings, he several times contemplated suicide, by throwing himself down from a precipice. His friends were alarmed at his state of mind. Some considered it as the accentricities of a poetical genius; others thought that he was a Kahin, soothsayer; but the majority took a less charitable view, and declared that he was insane; and, as, madness and melancholy are ascribed to supernatural influence in the east, they said that he was in the power of Satan and his agents, the jinn. (Life of Muhammad, p. 105)

٢٠ـ صفى الرحمن المباركفورى، الرحيق المختوم، دار الهلال، بيروت، ١٤٢٧ھ، ص٥٧ـ٥٨

21- His actions were, in some instances, as cruel as his poetry: some apostates from his faith were sentenced by him to have their hands and feet cut off, and their eyes pierced with hot iron. In this condition they were thrown on the stony plains of Maydynah. They asked for water, and it was refused to them; and so they died.

Such instances of cruelty are the more characteristic of his fanaticism, as he was naturally mild, and even soft. (Life of Muhammad, p. 91)

۲۲۔ مسلم بن حجاج‘المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ ﷺ‘باب حکم المحاربین والمرتدین‘ دار إحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۲۹۶/۳۔۱۲۹۸

23- Unknown, William_Muir, http://en.wikipedia.org/wiki/William_Muir(accessed on January 6, 2014).

24- Ibid.

25- The Biography of the Prophet and Orientalists, Mohar Ali, p. 73.

26- Unknown, id_Samuel_Margoliouth, http://en.wikipedia.org/wiki/David_Samuel_Margoliouth (accessed on January 6, 2014).

27- D. S. Margoliouth, Mohammad and the Rise of Islam, New York, 1905, p. 9

28- He dreamed that he was swiftly carried by Gabriel on a winged steed past Medina to the temple at Jerusalem, where a conclave of the ancient Prophets met to welcome him. (Ibid., p. 121)

29- From these remarks we may conclude that, while some information regarding Christianity may have been drawn from Christian slaves or Arabs, Mohammad gained his cheif knowledge of Christianity from Syria, through the same Jewish medium which, at an earlier period, funished the more copious details of Jewish history. (Ibid., p. 158)

30- Unknown, William_Montgomery_Watt http://en.wikipedia.org/wiki/William_Montgomery_Watt (accessed on January 6, 2014).

31- Ibid.

32- Finally, what of our question? Was Muhammad a prophet? He was a man in whom creative imagination worked at deep levels and produced ideas relevant to the central questions of human existence, so that his religion has had a widespread appeal, not only in his own age but in succeeding centuries. Not all the ideas he proclaimed are true and sound, but by God's grace he has been enabled to provide millions of men with a better religion than they had before they testified that there is no god but God and that Muhammad is the messenger of God. (W. Montgomery Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, Oxford University Press, 1961, p. 236)

33- Image of the Prophet Muhammad in the West: A Study of Muir, Margoliouth and Watt by Jabal Muhammad Buaben , Islamic Foundation, 2007

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : درس نظامی کی اصلاح اور ترقی

مصنف : بابائے عربی مولانا محمد بشیر سیالکوٹی

ضخامت : ۵۲۸صفحات قیمت : درج نہیں

ناشر: دارالعلم‘699 آب پارہ مارکیٹ‘ اسلام آباد‘ فون:2253733-2875371(051)

فاضل مصنف کو عربی زبان کے ساتھ والہانہ محبت ہے۔ وہ سالہا سال سے پاکستان میں عربی زبان کی تدریج وتدریس کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ مختلف عربی تعلیمی اداروں میں کام کرتے رہے ہیں۔ وہ لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ادارے کے علاوہ جامعہ اشرفیہ میں بھی عربی پڑھاتے رہے ہیں۔ آج کل وہ دارالعلم اسلام آباد کے ڈائریکٹر ہیں اور اسلام آباد میں ہی معروف عربی درس گاہ **معهد اللغة العربية** میں بطور مدیر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہی اس درسگاہ کے بانی ہیں۔

مولانا محمد بشیر نے ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ کے مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب **ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء** کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا جو پاکستان اور سعودی عرب دونوں جگہ چھپ رہا ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات بھی ہیں جن میں **مفتاح الانشاء** اور **المحفوظات العربيه** بھی شامل ہیں۔ مولانا نے کئی اسلامی ممالک کے بامقصد دورے کیے اور عربی زبان کی ترویج وترقی کے مختلف انداز دیکھے۔

مولانا محمد بشیر باصلاحیت مصنف‘ تجربہ کار معلّم‘ ماہر تعلیم‘ محقق اور ادیب ہیں۔ پاکستان میں عربی زبان کی تعلیم وتدریس کو مؤثر بنانا اور عام کرنا ان کا مشن ہے۔ اس ضمن میں انہیں عربی مدارس میں پڑھائے جانے والے درس نظامی کے نصاب اور طریقہ تدریس کے ساتھ اتفاق نہیں۔ وہ اس پر ماہرانہ اور ہمدردانہ تنقید کرتے ہیں۔ نہ صرف وہ موجودہ عربی مدارس کے نصاب کی تجدید چاہتے ہیں بلکہ طریق تدریس میں بھی مکمل تبدیلی کے حق میں ہیں۔ ان کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ہمارے عربی مدارس میں بڑی بڑی ضخیم عربی کتب تو پڑھائی جاتی ہیں اور طالب علم ان کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر لیتے ہیں‘ مگر سالہا سال کی تدریس کے بعد بھی وہ عربی زبان میں بات چیت نہیں کر سکتے۔ یہی طلبہ جب عرب ممالک میں جاتے ہیں تو عربی بول چال سے نابلد

ہونے کی وجہ سے اکثر ناکام واپس آ جاتے ہیں۔ان کے خیال میں درس نظامی کی اصلاح کے لیے نصابی کتابوں کی تبدیلی کافی نہیں بلکہ یہ تبدیلی طریقہ تدریس میں بھی ہونی چاہیے۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عربی کی تعلیم کو مشکل خیال کیا جاتا ہے اور اس مفروضے کی بنیاد اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ عربی افعال کی گردانیں بڑی لمبی ہوتی ہیں۔اس مفروضے کو غلط ثابت کرنے کے لیے جہاں وہ قرآنی آیت کا بار بار حوالہ دیتے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ○﴾ وہاں ابتداءً گرامر پڑھانے کے خلاف ہیں' بلکہ آسان عربی جملے بولنے کی مشق کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔روز مرہ استعمال کے چند جملے بولنا سیکھ لینے کے بعد بچے میں عربی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔وہ گرامر کے ذریعے عربی پڑھانے کے خلاف ہیں۔ان کا خیال ہے کہ زبان کی تعلیم فطری طریقے سے ہونی چاہیے۔ابتدائی صلاحیت حاصل ہو جانے کے بعد طالب علم خود شوق کے ساتھ زبان دانی کے قواعد سیکھ لیتا ہے۔پھر وہ چاہتے ہیں کہ عربی کی تدریس عربی زبان میں ہی ہو۔عربی سبق کی کلاس میں عربی کے علاوہ دوسری زبان میں بات کرنا ممنوع ہو۔اس سے بچے عربی بول چال سے مانوس ہوتے جائیں گے اور انہیں عربی کی تعلیم مشکل نہ لگے گی۔عربی مدارس سے فارغ ہونے والے طالب علم جب کسی دوسرے عربی مدرسے میں استاد مقرر ہوتے ہیں تو وہ کامیاب استاد نہیں بنتے' کیونکہ انہیں عربی بولنا نہیں آتی۔ایسی صورت حال میں وہ بچوں سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ عربی میں بات چیت کریں۔چنانچہ عربی مدارس میں استاد بننے کے خواہش مند حضرات کو تدریس عربی کی ٹھوس تربیت فراہم کرنی چاہیے۔مصنف نے لکھا ہے کہ انہیں کئی عربی مدارس میں جانے کا اتفاق ہوا' اکثر جگہوں کے اساتذہ عربی بول چال سے خائف تھے۔

درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتابوں میں یہ خامی ہے کہ وہاں اسباق کے آخر میں مشقی سوالات نہیں ہوتے یا بہت کم اور ناکافی ہوتے ہیں' جبکہ تمرینات کے حل کرنے سے تعلیم میں پختگی آتی ہے۔یہ اصول تو مسلمہ ہے کہ مشق سے کمال حاصل ہوتا ہے۔تدریس عربی کے سلسلہ میں حکومت پاکستان کی غفلت کا بھی ذکر کیا گیا ہے' جس کے نتیجے میں برادر عرب ممالک میں ہم سے بے مروّتی برتی جاتی ہے۔ہمارے لوگوں کو عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے وہاں ملازمتیں اور کام نہیں ملتے جس سے ہم بڑی تعداد میں زرمبادلہ سے محروم رہ رہے ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن مجید میں ہیں اور قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔اسی طرح ہماری تعلیمات کا دوسرا ذریعہ احادیث رسولؐ ہیں' وہ بھی عربی میں ہیں۔ہمارے رسول ﷺ کی زبان عربی تھی۔آپؐ نے عربی سیکھنے کا حکم دیا ہے کہ اہلِ جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔اس طرح ہر مسلمان کو عربی کے ساتھ پیار ہے۔جونہی بچہ ۳'۴ سال کا ہوتا ہے تو اسے عربی قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔عربی زبان کا احترام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا مصنف مروّجہ کتب درس نظامی سے مطمئن نہیں ہے اور نہ ہی وہ طریق تدریس کو مناسب جانتا ہے۔اس نے بڑی مہارت سے درس نظامی کے لیے کتابیں بھی تحریر کی ہیں جو جدید تقاضوں کے مطابق ہیں۔درس نظامی کا مروّجہ نصاب صدیوں پرانا ہے' جبکہ زمانہ تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ہر شعبہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہے۔اس صورت حال میں پرانا نصاب اور پرانا طریق تدریس کیسے کفایت کرے گا۔چنانچہ ضرورت ہے کہ درس نظامی میں بھی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں اور عربی تعلیم وتدریس کے جدید طریقے سکھائے

جائیں، جو آسان اسباق سے شروع ہوں اور ان میں مشق کے لیے کافی ذخیرہ موجود ہو۔ کتاب میں جگہ جگہ کالم بنا کر قدیم اور جدید نصاب اور طریق تدریس کا موازنہ کیا گیا ہے جس سے فرق واضح ہو رہا ہے۔ ہمارے مدارس میں قدیم عربی ہی پڑھائی جاتی ہے جبکہ آج کے دور میں جدید عربی سیکھے بغیر چارہ نہیں۔

مصنف کا کہنا ہے کہ بولنا بولنے سے آتا ہے، پڑھنا پڑھنے سے آتا ہے، سننا سننے سے آتا ہے اور لکھنا لکھنے سے آتا ہے۔ پس یہ چاروں مہارتیں حاصل کرنے کے لیے متوازن انتظام ہونا چاہیے جس میں کسی مہارت کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔

مصنف کا عربی زبان کے ساتھ اشتیاق اس حد تک ہے کہ اس کی تین بیٹیاں عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے تحقیقی اور تدریسی کام کر رہی ہیں۔

مختصراً یہ کہ درس نظامی میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جس کو پورا کرنے کے لیے حکومت کی سطح پر بھی کام ہونا چاہیے اور عربی مدارس کے سربراہوں کو مل کر اس چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ عرب ممالک میں جانے والے ہمارے بھائی وہاں عزت اور وقار کے ساتھ رہیں اور اپنے ملک کے لیے بھی مفید ثابت ہوں۔ نیز ہمارے ہاں عربی سمجھنے کا رجحان پیدا ہو جس سے اسلامی تعلیمات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

یہ کتاب عربی مدارس کے سربراہ خاص طور پر پڑھیں اور ضروری اصلاحی اقدام کریں تاکہ قرآن کی زبان عوام میں زیادہ سے زیادہ سمجھی جا سکے۔

(۲)

نام رسالہ : ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' جھنگ (خصوصی اشاعت: الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ)

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

ضخامت: ۱۶۰ صفحات قیمت: ۱۳۵ روپے (سالانہ زرتعاون: ۴۰۰ روپے)

ملنے کا پتہ: مکتبہ قرآن اکیڈمی، لالہ زار کالونی نمبر ۲، ٹوبہ روڈ، جھنگ

رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کہنا بہت بڑی نیکی ہے۔ مرتب نے اس تحریر میں الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد ﷺ پر جامع انداز میں گفتگو کی ہے۔ جریدے کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ تمہید سمیت پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ آغاز میں مستند عربی لغات میں الصلوٰۃ کے معانی کی وضاحت ہے۔ پھر دور حاضر کے معروف مفسّرین کے حوالے سے سورۃ الاحزاب کی آیت کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں درود شریف کی اہمیت اور فضیلت پر مشتمل چند احادیث ہیں۔ چوتھے باب میں درود شریف پڑھنے کے چالیس محل و مقامات بتائے گئے ہیں۔ پانچواں باب چار حصوں پر مشتمل ہے جو آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ کا پس منظر اور جنگ خندق کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور درود شریف پڑھنے کے بیش بہا ثمرات کا ذکر ہے۔ آگے کچھ ضمنی بحثیں ہیں۔

''من الظلمات الی النور'' کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے یہ سفر ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ کفر

سے کوئی انسان نکل کر اسلام میں داخل ہو جائے تو یہ اس کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے خوب سے خوب تر کی طرف بڑھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے ہاں جسمانی اور روحانی طہارت کا طرفہ انداز میں تذکرہ ہے کیونکہ اسلام جیسی طہارت کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ درود شریف کا پڑھنا آنحضور ﷺ کو خوش کرتا ہے' جبکہ یہود کی اسلام دشمنی آپؐ کو اذیت پہنچاتی ہے۔ اسی طرح درود شریف پڑھنے سے گریز کرنے والے کو آپ ﷺ نے بخیل فرمایا ہے۔ منافقت کی بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آج کے مسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں کہ جن کا رویہ سراسر نفاق ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے یہودیوں کی طرح حضور ﷺ کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ آپس میں سلام کو رواج دینے کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا ذکر ہے اور سلام سے گریز یہودیوں کا مزاج ہے۔ نور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ نور اور پاکیزگی لازم وملزوم ہیں۔ اخلاق کے ضمن میں آپ ﷺ کی ہستی نورٌ علیٰ نور تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی سکھائی ہوئی دعائے نور بھی یہاں درج ہے۔

آخر میں جذبۂ خیر خواہی کے تحت مصنف نے نصیحت کی ہے کہ مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیں' کافروں کی نقالی چھوڑیں' این جی اوز کی سرگرمیوں کا حصہ بن کر کفر کو تقویت نہ دیں اور نہ ہی کوئی ایسا کام کریں جس سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔

(۳)

نام کتاب : ۲۱ اسلامی انقلابی شخصیات

مصنف : انجینئر مختار فاروقی

ضخامت : ۳۱۵صفحات قیمت: ۳۸۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ قرآن اکیڈمی' جھنگ

مسلمانوں کی تاریخ مشاہیر سے مملو ہے۔ فاضل مصنف کی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سے قیامِ پاکستان سے پہلے تک نامور مسلمان عبقری شخصیات میں سے مصنف نے ۲۱ کا انتخاب اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔ ہر ایک کا مختصر تعارف دیا گیا ہے اور ساتھ اُن کی قومی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔ ہر شخصیت خصوصی پہچان کی حامل ہے۔ اس انتخاب میں شامل وہ حضرات ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں احیائے اسلام کے لیے قابل ذکر کام کیے۔ اس فہرست میں سب سے پہلی شخصیت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جنہیں ''عمر ثانی'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ عمر ہے جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ آخری شخصیت علامہ اقبال کی ہے جسے بجا طور پر شاعر مشرق اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ مسلمان قوم کو بیدار کرنے میں اُن کی کاوش بے مثل ہے۔ پاکستان کا قیام علامہ اقبال کے خواب کی ہی تعبیر ہے' اس لیے ان کو مبشر پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔

کتاب میں دی گئی ہر شخصیت نے اپنے عہد کے انتہائی نامساعد حالات میں ہر طرح کی حکومتی اور غیر حکومتی

سختیوں اور مخالفتوں کے باوجود احیائے اسلام کے لیے شب و روز کوشش کی۔ کتاب کے تین حصے ہیں اور ہر حصے میں سات مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب قارئین کو اسلاف کی ان تھک جدوجہد اور پُرخلوص کوششوں سے باخبر کر کے اُن میں جذبہ عمل پیدا کرے گی، جس کی آج کی اسلامی دنیا کو شدید ضرورت ہے۔

(۴)

نام کتاب : رزق کی کنجیاں

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ضخامت : ۲۱۱ صفحات، قیمت: ۲۷۵ روپے

ملنے کے پتے : ☆ دارالنور، اسلام آباد ☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

مصنف کتاب پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ بلند پایہ عالم اور محقق ہیں۔ عصرِ حاضر کے مسلم سکالر کے درمیان وہ نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ وہ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُن کی کتابوں میں بیان شدہ حقائق مستند اور مدلل ہوتے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ''رزق کی کنجیاں'' بڑی مفید اور اہم ہے۔ دنیا میں ہر شخص کی تمنا ہے کہ اُس کے رزق میں فراخی ہو۔ مفلس اور نادار کی یہ خواہش تو فطری ہے مگر یہاں تو دولت مند بھی مزید دولت چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے رزق کے خزانوں سے وافر روزی حاصل کرنے کی تیس چابیوں کا ذکر کیا ہے۔ اب طالب زبان اور ہاتھ سے ان کنجیوں کا استعمال کر کے اپنی مراد پا سکتا ہے۔

حصولِ رزق کے لیے سب سے پہلی کنجی وہ استغفار اور توبہ کو قرار دیتے ہیں۔ زبان کے استغفار کو وہ کافی نہیں سمجھتے، بلکہ زندگی میں گناہوں سے پرہیز کرنے اور گزشتہ نافرمانیوں اور گناہوں پر اظہارِ ندامت کو ضروری بتاتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات سند کے طور پر درج کرتے ہیں۔ اسی طرح جہاں تقویٰ، اللہ پر توکل، عبادتِ ربّ کی مشغولیت اور صلہ رحمی کو حصول رزق کے لیے چابیاں قرار دیتے ہیں وہیں وہ ان اعمال کی ظاہری اور زبانی صورت کو نا کافی سمجھتے ہیں، بلکہ وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان تمام اعمال پر عمل پورے خلوص اور حسنِ نیت کے ساتھ کیا جائے اور بے عملی کی گنجائش کسی بھی جگہ نہ دی جائے۔ مثلاً قرآن مجید میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ خواتین سے شادی کرو وہ تمہارے پاس مال لاتی ہیں۔ اب ناداری دور کرنے کے لیے شادی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ شادی کے بعد بندہ بے کار ہو کر روزی کے آنے کے انتظار میں بیٹھ جائے بلکہ اُسے کسب حلال کے لیے جدوجہد بھی کرنی چاہیے۔ اسی طرح توکّل علی اللہ بھی رزق کی کنجی ہے، لیکن یاد رہے کہ توکل وسائل رزق چھوڑنے کا نام نہیں۔

کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں رزق کی دس کنجیوں کا ذکر ہے جبکہ دوسرے حصے میں بیس کنجیوں کا ذکر ہے، جن میں آخری کنجی ماثورہ دعائیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی ہیں۔

کتاب کے اخیر میں کتاب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ مصنف نے کتاب کی تیاری میں جن مراجع و مصادر سے

استفادہ کیا ہے اُن کی فہرست بھی دی گئی ہے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ بہت عمدہ ہے۔ طباعت سفید کاغذ پر معیاری ہے۔ جلد مضبوط اور ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔

(۵)

نام کتاب : تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : ۵۸۴صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کے پتے : ☆ القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ ☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

مولانا عبدالقیوم حقانی راسخ العلم عالم دین، کثیر المطالعہ شخصیت، صاحب طرز ادیب اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ نامور علمائے حق اور بزرگانِ دین کے سوانح لکھنا آپ کی پسندیدہ مصروفیت ہے۔ زیرتبصرہ کتاب سے قبل وہ برصغیر کے ۱۱۶ اعاظم رجال کے سوانح حیات لکھ چکے ہیں۔ بڑے لوگوں کے حالاتِ زندگی قارئین کو عمل پر ابھارنے میں خاص تاثیر رکھتے ہیں۔ تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اُن کی تازہ تصنیف ہے۔ مولانا محمد قاسم برصغیر کے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے نہایت نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں دیوبند قصبے میں ایک چھوٹی سی مسجد میں دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی جو آج دارالعلوم دیوبند کے نام سے دنیائے اسلام کی مشہور درس گاہ ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ علماء پوری دنیا میں تبلیغ واشاعت دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ دارالعلوم مولانا محمد قاسمؒ کے خلوص واخلاص اور للّٰہیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ وہی محمد قاسم ہیں جن کی علم دوستی اور خدمت دین سے متاثر ہو کر مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنے شخصیت ساز ادارے کا نام القاسم اکیڈمی، اپنے ماہنامے کا نام ''القاسم'' اور اپنے فرزند ارجمند کا نام قاسم رکھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک باعمل عالم دین، سادگی کا نمونہ، مثالی استاد اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ کچھ نالائقوں نے آپ کا مذاق اڑانا چاہا اور ایک نوجوان کو چارپائی پر ڈال کر آپ کو جنازہ پڑھانے کو کہا۔ نوجوان سے کہا گیا تھا کہ جب دو تکبیریں کہی جا چکیں تو تم اٹھ کر کھڑے ہو جانا۔ مگر آپ نے جنازہ پڑھا دیا اور وہ لڑکا نہ اٹھا۔ تمسخر کا منصوبہ بنانے والے حیران تھے کہ لڑکا اٹھا کیوں نہیں۔ مولانا قاسم کہنے لگے: اب یہ قیامت ہی کو اٹھے گا!

مولانا محمد قاسم نے پچاس سال سے بھی کم عمر پائی، مگر اس مختصر عمر میں وہ ایسے یادگار کارنامے چھوڑ گئے جو ان ہی سے انجام پا سکتے تھے۔ فاضل مصنف نے مولانا قاسم نانوتویؒ کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اُس کا حوالہ درج کیا ہے جو قابل تقلید طرزِ تحریر ہے۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

❀❀❀

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa — cont…

(Ayaat 22-35)

Translator's Note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or disrespect the status of women. Moreover, each verse (Ayah) has been broken into sections in order to explain the subject matter of that particular portion and then relate it to the preceding and the proceeding ones. Sections of the same Verse are given in bold. Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the messenger of Allah (SAW) are provided in italics.

Verse 22

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

"And marry not women whom your fathers married, except what has already passed; indeed it was shameful and most hateful, and an evil way."

This verse also acts as a recap of the explanation of verses 15 through 21 which was published in the previous edition of the magazine.

Allah (SWT) condemns the practices of the pre-Islamic era when the sons of the deceased used to inherit their father's wives (step-mothers) as concubines or would marry them. Therefore, Allah (SWT) prohibits them from marrying their step mothers as it is a very shameful and disgraceful act. And pardons them for what happened

prior to this commandment provided that they mend their ways and avoid such shameful acts in the future.

<u>**Verse 23**</u>

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

"Forbidden to you are: your mothers, your daughters, your sisters, your fathers' sisters, your mothers' sisters, your brothers' daughters, your sisters' daughters,"

This ayah describes those women relatives with whom a person is never eligible for marriage.

First of all it describes those women which are prohibited by blood relations.

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

"Your foster mothers who gave you suck and your foster milk suckling sisters,"

Secondly, the woman who suckles a child should be treated like a real mother and he cannot in any way marry her. Similarly the foster mother's daughters will also be regarded as his real sisters and thus are forbidden for marriage. There are different opinions amongst scholars on the amount of suckling that establishes relation and the age of the boy up to which suckling is permitted. For details refer to the books of Fiqh.

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ

"Your wives' mothers,"

According to this section of the ayah, the mother of one's wife is also prohibited for marriage.

وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

"Your step daughters under your guardianship, born of your wives to whom you have consummated your marriage, but there is no sin on you if you have not consummated your marriage,"

Moreover, this section prohibits a person from marrying his step daughters, i.e. daughters from his wife's previous marriage, if he has consummated his marriage with his wife, but if he divorced his wife before consummating the marriage then there is no sin upon him.

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ

"The wives of your sons who (spring) from your own loins"

This refers to the wives of your real sons and not of your adopted sons.

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

"And that you should have two sisters simultaneously (in wedlock at the same time), except for what has already passed."

Allah (SWT) also prohibited a person from keeping two sisters as his wives except for those marriages which occurred before this commandment. Likewise, the Messenger (SAWS) of Allah is reported to have said that it is also unlawful for a man to keep a niece and her real aunt as wives at the same time.

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

"Verily, Allah (SWT) is Oft-Forgiving, Most Merciful."

The Ayah end with the Eternal attributes of Allah. Allah (SWT) will forgive their sins regarding these prohibitions which occurred prior to these commandments.

<u>Verse 24</u>

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

"Also (forbidden are) women already married, except those whom your right hands possess."

Allah (SWT) also prohibits a man from marrying those who are already married except for those married women who one acquires through war as slaves.

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

"Thus has Allah (SWT) ordained for you."

Referring to all these prohibitions that are ordained by Allah (SWT), therefore, it is incumbent on all Muslims to follow them.

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ

"All others are lawful for you, provided you seek (them in marriage) with dowry from your property, desiring chastity, not committing fornication"

This part of the verse makes it clear that all women except those prohibited in these Ayaat are lawful for a man to marry provided

that they give them their right i.e. the dowry, and they marry them desiring chastity and not only to satisfy their sexual desires.

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ

"So with those of whom you have enjoyed sexual relations, give them their dowry as prescribed; but if after a dowry is prescribed, you agree mutually (to give more or less), there is no sin on you."

Once a person has sexual relations with his wife, he should give her the prescribed dowry, but if by mutual consent, they both agree to increase or decrease it then there is no harm in it.

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾

"Surely, Allah (SWT) is Ever All-Knowing, All-Wise."

The Ayah end with the Eternal attributes of Allah, His Knowledge of all matters pertaining to marital relations and his wisdom in ordaining certain restrictions.

Verse 25

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ

"And whoever of you has not the means sufficient to wed free, believing women; they may wed believing girls from among those whom your right hands own."

Those persons who cannot afford to marry free believing women, they are allowed to choose from their believing slave girls.

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ

"And Allah (SWT) has full knowledge about your faith, you are one from another."

All Muslims are equal and they are not distinguished by their social rank in the society but by the quality of their faith. Therefore it is quite possible that a believing slave girl may be more faithful and more honorable with her Lord then a free believing women.

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ

"Wed them with the permission of their owners and give them their dowry according to what is reasonable. They should be chaste, not adulterous, nor taking secret-lovers."

This ayah describes the conditions for marrying a believing slave girl; firstly she should be an honorable woman, not of those who commit

fornication or look for illicit relationships. Secondly, do not marry them without the permission of their master, if they agree, then marry them and pay them their dowry in an honorable manner.

فَإِذَآ أُحۡصِنَّ فَإِنۡ أَتَيۡنَ بِفَٰحِشَةٖ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى ٱلۡمُحۡصَنَٰتِ مِنَ ٱلۡعَذَابِۚ

"And after they have been taken in wedlock, if they commit indecency, their punishment is half that for free women."

After your marriage to them, if they commit adultery then their punishment will be half that of a free unmarried woman, which, in case of adultery, would be 50 lashes.

ذَٰلِكَ لِمَنۡ خَشِيَ ٱلۡعَنَتَ مِنكُمۡۚ وَأَن تَصۡبِرُواْ خَيۡرٞ لَّكُمۡۗ

"This is for him among you who fears indulging in fornication; but it is better for you that you practice self-restraint."

Therefore, this concession for marrying slave girls is for those who are afraid of losing their chastity and cannot control their desires. But Allah (SWT) says that it is much better that they observe patience until He makes way for them to marry a free believing women.

وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ

"And Allah (SWT) is Oft-Forgiving, Most Merciful."

Once again, the Ayah ends with the Eternal attributes of Allah. Allah (SWT) will forgive their sins regarding these prohibitions which occurred prior to these commandments and those who repent unreservedly.

<u>Verse 26</u>

يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوبَ عَلَيۡكُمۡۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ

"Allah (SWT) wishes to make clear to you, and to show you the ways of those before you, and accept your repentance, and Allah (SWT) is All-Knower, All-Wise."

In this section of the Ayah, Allah (SWT) has instructed the believers on the social and cultural reforms of their society so that the believers turn to Him in repentance and He takes them out of the ways of ignorance towards the path of guidance and morality as followed by previous Prophets of Allah (SWT) and their followers. And whatever He decrees is out of His perfect wisdom and He knows of His servants, who submit to His commandments.

Verse 27

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝

"Allah (SWT) wishes to accept your repentance, but those who follow their lusts, wish that you (believers) should deviate far away from the Right Path."

This refers to the followers of the evil forces, whether they are amongst the People of the Book or within the Muslims i.e. the hypocrites. They out of their enmity and jealousy want the believers to turn away from the teachings of the holy Prophet (SAW), which they know is the truth, and they intend to make them follow their ways of ignorance.

Verse 28

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

"Allah (SWT) wishes to lighten (the burden) for you; and humans were created weak."

Muslims are called upon to control and conquer their earthly and bodily urges by taking up the social and cultural reforms, so that the commands and prohibitions instructed by Allah (SWT) are made easier for them.

Verse 29

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ

"O you who believe! Do not eat up your property among yourselves unjustly except it be a trade amongst you, by mutual consent."

Allah (SWT) commands the Muslims to respect other's life, family, property and honor and that they should not acquire each other's property by means which are against the Shrai'ah. Instead they should benefit from the opportunities of business and trade that Allah (SWT) has allowed for them e.g., commercial transactions, trade, industry etc. But these transactions should be carried out by mutual consent of the two parties involved and not by force or other illegal methods.

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

"And do not kill yourselves."

This section of the ayah prohibits committing suicide or killing another human being unjustly.

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝

"Surely, Allah (SWT) is Most Merciful to you."

He is Most Merciful to His servants in what He commanded them.

Verse 30

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ

"And whoever commits that through aggression and injustice, We shall cast him into the Fire"

Whoever acquires others' property by force or injustice commits suicide or kills someone, then as a punishment he will be thrown into Hellfire.

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

"And that is easy for Allah (SWT)."

This means, that although Allah (SWT) is Most Merciful to His servants yet He is also the Just, thus this will not make Him hesitate in punishing the disbelievers.

Verse 31

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۝

"If you avoid the great sins which you are forbidden to do, We shall pardon you your (small) sins, and admit you to a Noble Entrance."

This is similar to that which Allah (SWT) says in Ayah 32 of Surah An-Najam: *"Those who avoid great sins and shameful deeds, Only (falling into) small faults, verily your Lord is ample in forgiveness."*

These Ayaat imply that those who abstain from committing major sins and shameful deeds, Allah (SWT) will forgive their minor sins and will admit them into the place of great honor i.e., Paradise.

Verse 32

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ

"And wish not for the things in which Allah (SWT) has made some of you to excel others. For men there is reward for what they have earned, (and likewise) for women there is reward for what they have earned."

This ayah indicates that Allah (SWT) has preferred some of His men over others. One of the misconceptions in modern man's mind is that

men and women are equal in all aspects. This is not correct because Allah (SWT) has given men a degree over women in some aspects while women have their own responsibilities, so there should be no reason for jealousy and hard feelings between them. And they should not say that Islam teaches equality between men and women in all respects, rather they should say that Islam enjoins justice on them i.e., it gives each one that to which he or she is entitled, and they will be rewarded accordingly. For men is a portion of what they earn in piety, and for women is a portion of what they earn in piety.

وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

"And ask Allah (SWT) of His Bounty. Surely, Allah (SWT) is All-Knowing of all things."

In this section, Allah instructs as an advice as well as a commandment simultaneously that instead of jealousy and hard feelings for what Allah (SWT) has given to others; one should invoke Him for His bounties and place before Him his needs. And surely He knows who deserves His bounties. One should ask Allah for his grace and He has knowledge of all things.

<u>**Verse 33**</u>

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ

"And to everyone, We have appointed heirs of that left by parents and relatives."

This ayah means that for every person there is a rightful heir who inherits his/her property and wealth. Similarly there will be those who will inherit what they inherited i.e., their children and relatives.

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ

"To those also with whom you have made a pledge, give them their due portion."

Thus encouraging Muslims to give a share from their inheritance to those with whom they have a pledge of brotherhood i.e. friends or your Muslims brothers.

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا

"Truly, Allah is a Witness over all things."

Thus the Ayat ends with warning that He himself (SWT) bears witness to all things.

Verse 34

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

"Men are the protectors and maintainers of women, because Allah (SWT) has made one of them to excel the other, and because they spend (to support them) from their wealth."

When Islam differentiates between the two genders, it is in the interests of both, and this is the essence of the perfect wisdom of Allah (SWT) and for legal and administrative purposes. He has given men authority and the role of being in charge or head of the household so that they take care of their women; guide them in the best possible way, and issue commands and prohibitions to his family. Just as a ruler takes care of the people, a father takes care of his children, a teacher takes care of his students and a commander takes care of his soldiers. This is because men are made different to women, i.e. generally superior in strength and they have been assigned the role of being in charge of affairs i.e. by taking care of the family and spending on them. Otherwise a women's life, property and her honor is as sacred as that of men.

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ

"Therefore the righteous women are devoutly obedient, and guard in the husband's absence, by the aid and protection of Allah (SWT)."

An honorable woman is obedient to Allah (SWT) and obeys her husband in which Allah has enjoined obedience i.e. treating his husband's family well and looking after his children and his wealth. And the Prophet (SAW) said: *"If I were to command anyone to prostrate to anyone other than Allah (SWT), I would have commanded women to prostrate to their husbands. By the One in Whose hand is the soul of Muhammad (SAW), no woman can fulfill her duty towards Allah (SWT) until she fulfills her duty towards her husband. If he asks her (for intimacy) even if she is on her camel saddle, she should not refuse."*

The Ayat continues and Allah (SWT) says:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا

"As to those women on whose part you see ill-conduct and disobedience admonish them first, (next) avoid them in beds, and

(then) beat them, but if they return to obedience, seek not against them means (of annoyance)."

This means that if she is at fault or is guilty of misconduct, then he should first warn and advise her. Then he should withhold conjugal relations from her and should not speak to her, until she apologizes and returns to obedience. If even that does not work, then he is allowed to hit her, but not in a painful fashion because Islam does not allow him to hit her severely that leaves bruises on any part of the body, including the face. He is allowed to hit her lightly and within certain limits only for the purpose of discipline and not for revenge or to express one's anger. If she responds and returns to obedience, then he has no right to take further action against her.

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝

"Surely, Allah (SWT) is Most High, Most Great."

The last section of this Ayah reminds the men to be mindful that if they deal unjustly with their wives, then Allah (SWT) will protect their wives from them and surely He The Most High will punish those who are wrongdoers. Surely, Allah (SWT) is the Most High, the Supreme.

<u>**Verse 35**</u>

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ

"If you fear a breach of trust between them, appoint arbitrators, one from his family and the other from hers; if they both wish to set things right, Allah (SWT) will cause their reconciliation."

This ayah gives a solution for settling the disputes between a husband and his wife. If there is a dispute between a man and his wife then they should appoint two arbitrators i.e. one of the righteous men from his family and one of the righteous men from her family who try to resolve matter. Then whatever they decide, they should adhere to it, for that is good for both of them.

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

"Indeed Allah (SWT) is All-Knower, Well Acquainted with all things."

If they wish to be reconciled, Allah (SWT) will bring them together again. Allah (SWT) is All-Knowing, Wise.

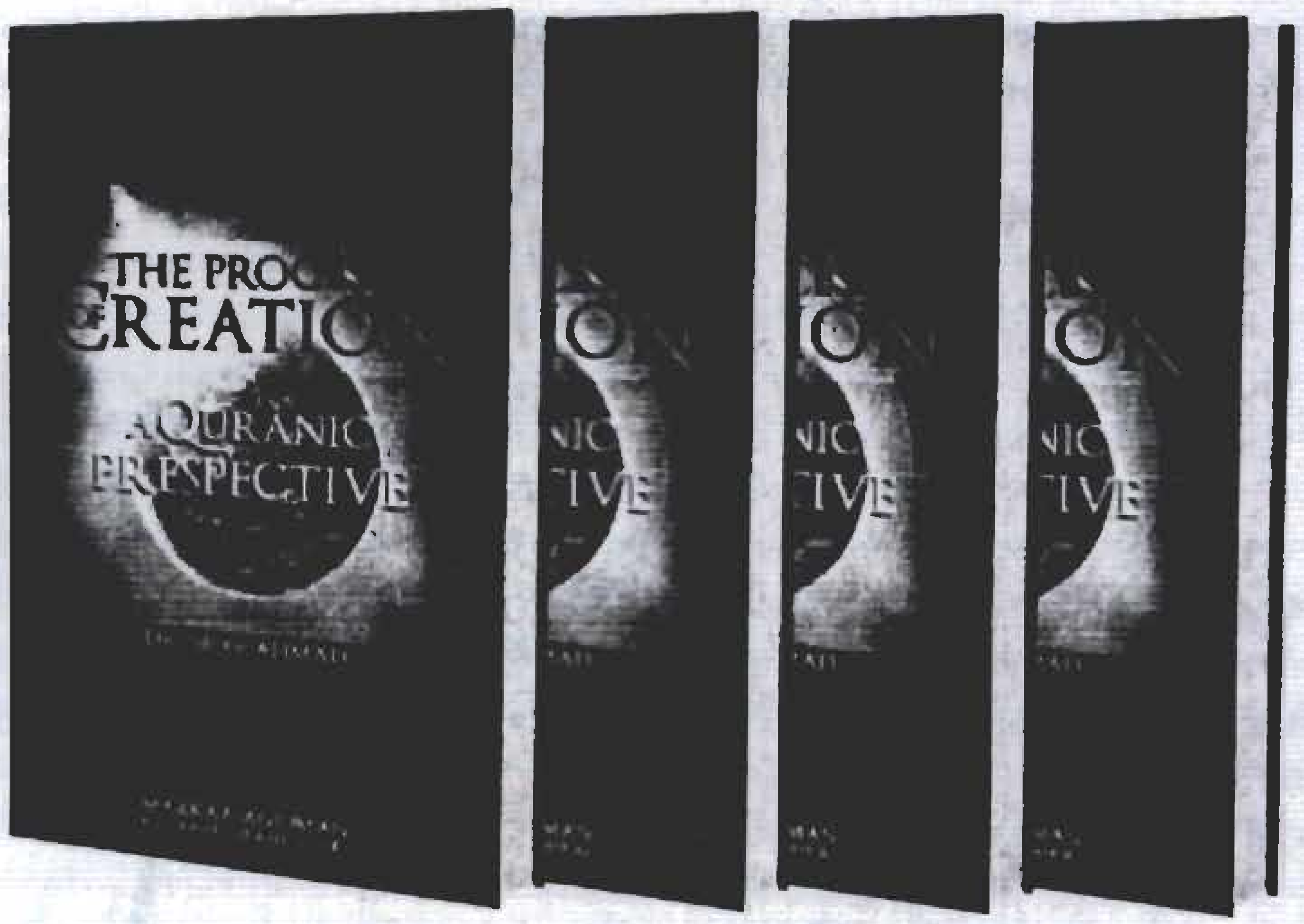

حقیقتِ انسان و کائنات کے موضوع پر فلسفہ و حکمت
کے اعلیٰ ترین مباحث پر مشتمل

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک
تنزل و ارتقاء کے مراحل

کا انگریزی ترجمہ

از: ڈاکٹر ابصار احمد

☆ امپورٹڈ آفسٹ پیپر ☆ صفحات: 80 ☆ قیمت 120 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: (042)35869501-03
فیکس (042)35834000 ای میل maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ www.tanzeem.org

Quarterly **HIKMAT-E-QURAN** Lahore
Jan - Mar. 2014 Vol.33 No.1

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ